مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۰ | شعبان/رمضان سنہ ۱۴۴۰ھ | مئی ۲۰۱۹ء | شمارہ ۵

التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل

عبادات رمضان کا فائدہ

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے | زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ربنی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

التحصیل و التسہیل مع التکمیل و التعدیل
(عبادات رمضان کا فائدہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	رمضان وحسنات	۱۰
۳	صحابہ کا ایمان	۱۱
۴	فضیلت انبیاء	۱۲
۵	سلسلوں کا ادب	۱۴
۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے فضائل کا تذکرہ کرنا	۱۴
۷	شبہ کا جواب	۱۵
۸	اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل	۱۶
۹	عقیدہ توحید کا عمل میں دخل	۱۶
۱۰	حدیث کی تشریح	۱۷
۱۱	صدقات کی ادائیگی میں تعجیل	۱۸
۱۲	”یومئذ تحدث اخبارھا“ کی عجیب تحقیق	۱۹
۱۳	فضول حساب	۲۰
۱۴	فضول سوال	۲۱

۱۵.....	عطاء الٰہی کا کوئی حساب نہیں.....	۲۱
۱۶.....	تربیت اولاد.....	۲۲
۱۷.....	چندہ لینے میں احتیاط کی ضرورت.....	۲۳
۱۸.....	جنت کی نعمتیں محض فضل الٰہی ہے.....	۲۴
۱۹.....	برائے نام ملکیت کا فائدہ.....	۲۴
۲۰.....	فرقہ جبریہ کا رد.....	۲۵
۲۱.....	اہتمام حسنات واجتناب سیئات.....	۲۶
۲۲.....	دوسری غلطی.....	۲۸
۲۳.....	گناہوں سے اجتناب کی ضرورت واہمیت.....	۲۸
۲۴.....	تیر بے کمان.....	۲۸
۲۵.....	پختگی نفس رضائے الٰہی ہے.....	۲۹
۲۶.....	راحت کی جگہ عالم آخرت ہے.....	۳۱
۲۷.....	بلامجاہدہ طلب کی مثال.....	۳۲
۲۸.....	طالب سہولت کا جواب.....	۳۳
۲۹.....	تحصیل عمل بالاختیار.....	۳۴
۳۰.....	غیر انسان میں عقل کا وجود.....	۳۵
۳۱.....	حضرت تھانویؒ کا طوطا.....	۳۶
۳۲.....	مجاذیب کا حال.....	۳۶
۳۳.....	چاند سورج کے جہنم میں جانے کی وجہ.....	۳۷

۳۴.....	انسان نے تکلیف احکام کیوں برداشت کی.....	۳۸
۳۵.....	سہولت کے طالب کا حال.....	۳۹
۳۶.....	احوال سالک کی حقیقت.....	۴۰
۳۷.....	حلال کی جستجو میں غلو سے احتیاط.....	۴۱
۳۸.....	غوث اعظم کی راہنمائی.....	۴۲
۳۹.....	اظہار کرامت اور اس سے توبہ.....	۴۳
۴۰.....	طالبین سہولت کو تنبیہ.....	۴۳
۴۱.....	طبائع کا اختلاف.....	۴۵
۴۲.....	انفاق مال میں دو غایتیں.....	۴۶
۴۳.....	غرض نکاح.....	۴۷
۴۴.....	نگاہوں کی حفاظت فعل اختیاری ہے.....	۴۸
۴۵.....	کیفیت اضطرار میں فرق.....	۴۹
۴۶.....	بدنظری کا انجام.....	۴۹
۴۷.....	عشق مجازی کا علاج.....	۵۱
۴۸.....	دوشالہ میرا ہے.....	۵۱
۴۹.....	عشق مجازی کا دوسرا علاج.....	۵۲
۵۰.....	اجنبیہ سے بچنے کی بہترین تدبیر.....	۵۲
۵۱.....	غض بصر کا بہترین علاج.....	۵۳
۵۲.....	صوفیاء کی سہولت پسندی.....	۵۳

۵۳.......... بے فکری کی زندگی کی خواہش.......................... ۵۴

۵۴.......... روزہ کا فائدہ.. ۵۶

۵۵.......... تکرارِ عمل کا فائدہ.................................... ۵۶

۵۶.......... علماء کی ذمہ داری.................................. ۵۷

۵۷.......... حضرت تھانوی کا جواب............................ ۵۸

۵۸.......... تفسیر آیات... ۶۰

۵۹.......... وہمیوں کا علاج...................................... ۶۱

۶۰.......... حکایت.. ۶۲

۶۱.......... آیت میں مذکور احکام.............................. ۶۲

۶۲.......... خصوصیتِ رمضان................................... ۶۳

۶۳.......... عبادات کا اہتمام..................................... ۶۳

۶۴.......... أخبار الجامعة...

وعظ

التحصیل و التسہیل مع التکمیل و التعدیل
(عبادات رمضان کا فائدہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

اہل سلوک کے متعلق یہ وعظ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ بروز آخری جمعہ مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ پونے چار گھنٹوں میں ختم ہوا۔ حاضرین کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔ زیادہ تر خطاب سالکین کو تھا کہ اعمال کرنے میں سہولت کا متلاشی نہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ شریعت کے سب احکام سہولت پر مبنی ہیں اس ذیل میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ رمضان المبارک میں جن عبادات کا اہتمام کرلے گا پورے سال ان عبادات کی توفیق ملتی رہے گی۔ مذکورہ آیت میں چار باتوں کا ذکر ہے تحصیل، تسہیل، تکمیل، تعدیل حضرت نے اسی مناسبت سے مذکورہ نام رکھا ہے۔ علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہ نے قلمبند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۷ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

ا لحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

{وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ}(۱)

تمہید

جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے غالباً موقع ووقت کے لحاظ سے وہ سامعین کو غیر مرتبط معلوم (۲) ہوئی ہوگی کیونکہ اس میں احکام رمضان کا پتہ بھی نہیں مگر مجھے جزئیات سے زیادہ کلیات کا اہتمام ہے کیونکہ کلیات سننے میں کم آتے ہیں اور جزئیات کو اکثر لوگ بیان کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے کلیات جامع بھی ہوتے ہیں جزئیات کو، اور ان کا یاد رکھنا بہت سے جزئیات کو یاد رکھنے سے مغنی ہوتا ہے (۳) اس وجہ سے میں نے اس وقت ایک مضمون کلی اختیار کیا ہے جو کلیت وعموم کی وجہ سے (۴) احکام

(۱) ''اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں۔ مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دونا (چوگنا) پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں'' سورۃ البقرۃ:۲۶۵ (۲) اس موقع سے اس کا کوئی ربط معلوم نہیں ہوگا (۳) بے نیاز کر دیتا ہے (۴) اپنی جامعیت اور عام ہونے کے اعتبار سے۔

رمضان کو بھی شامل ہے چنانچہ تقریر سے معلوم ہوجائے گا کہ اس مضمون کو ہر عمل سے تعلق ہے اور روایات حدیثیہ کو بھی ملالیا جائے تو اس آیت کا تعلق احکام رمضان سے اور زیادہ معلوم ہوگا نہ اس لیے کہ اس میں انفاق کا(۱) ثواب مذکور ہے اور رمضان میں انفاق کا ثواب زیادہ ہوتا ہے بلکہ دوسری وجہ سے جس کو میں آخر میں بیان کروں گا گو انفاق کو بھی اس مہینہ سے خاص خصوصیت ہے اور یہ بھی رمضان کے ساتھ اس آیت کی مناسبت کی وجہ ہوسکتی ہے اس لیے حدیث میں اس کو شہر المواساۃ (ہمدردی کا مہینہ) کہا گیا ہے جس کا استعمال اکثر اعانت مالیہ(۲) میں ہوتا ہے۔

رمضان وحسنات

اس مہینہ میں باہم ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا چاہیے۔ نیز اس مہینہ میں تضاعف حسنات ہوتا ہے(۳) جو انفاق وصلوۃ سب کو عام ہے تو ایک تعلق عام اس آیت کا رمضان سے یہ بھی ہے یعنی اس مہینہ میں فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے مگر اس تضاعف حسنات(۴) کے معاملہ میں لوگ ایک غلطی میں مبتلا ہیں جس کو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے مگر شاید بعض لوگ اس وقت حاضر نہ ہوں اس لیے دوبارہ بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض حضرات نے یہ سن کر رمضان میں تضاعف حسنات ہوتا ہے اس سے یہ اثر لیا کہ رمضان کے لیے طاعات صدقہ کو ملتوی اور مؤخر کرنے لگے، زکوۃ تو عموماً اسی مہینہ میں ادا کی جاتی ہے گو وجوب زکوۃ اس سے پہلے ہوگیا ہو اور اس کے سوا بھی دیگر صدقات کو اس ماہ پر موقوف رکھا جاتا ہے یہ غلطی ہے جس کا منشاء مقصد نصوص سے بعد ہے(۵) اور مقصد نصوص کا سمجھ لینا ہی فقہ ہے جس کی فضیلت حدیث میں یوں آئی ہے۔ ’’مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ‘‘(۶) جس کی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ میرے متعلق

(۱) خرچ کرنے کا (۲) مالی مدد (۳) نیکیوں میں بڑھوتری ہوتی ہے (۴) نیکیوں پر زیادتی (۵) شرعی احکام سے ناواقفی ہے (۶) ’’جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں‘‘ صحیح البخاری: ۱/۳۹، رقم الحدیث: ۷۱۔

مشیت حق کیا ہے(۱) بجز فقیہ کے کہ اس کو معلوم ہے کہ خدا نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے بوجہ اس حدیث کے تو یہ فضیلت محض اس بات سے حاصل نہیں ہوئی کہ حدیث وقرآن کا ترجمہ لیا جائے اور کچھ علمی نکات بیان کردیے جائیں بلکہ یہ فضیلت اس سے حاصل ہوتی ہے کہ شارع کا مقصد سمجھ لیا جائے اسی کا نام فقہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جس میں ہمارے اکابر سلف ممتاز تھے۔ گو وسعت نظر میں متاخرین بڑھے ہوئے ہیں مگر عُمق نظر(۲) میں متقدمین بدرجہا افضل ہیں یہاں تک کہ صحابہ کی نظر سب سے زیادہ عُمق ہے۔ ان سے بڑھ کر شارع کے مقصد کو کون سمجھ سکتا ہے ان کے برابر نور ایمان وتقویٰ کس کو نصیب ہے اور علوم قرآنیہ میں عمق نظر اسی نور کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔

صحابہ کا ایمان

اس مضمون پر کسی کو اس حدیث سے شبہ نہ ہو۔ ''قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الخلق اعجب الیکم ایماناً قالوا الملٰئکۃ الی اٰخر الحدیث''(۳) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایک دن دریافت فرمایا کہ بتلاؤ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ، وہ تو ہر وقت اپنے رب کے قرب میں ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر انبیاء علیہ السلام کا، فرمایا، ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ، وہ تو وحی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہے، فرمایا تمہارے ایمان نہ لانے کی کونسی وجہ ہوسکتی ہے میں تمہارے درمیان موجود ہوں یعنی تم نے مجھے دیکھا، نزول وحی کو دیکھا، میرے معجزات دیکھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کا ایمان عجیب تر ہے جو میرے بعد آئیں گے اور صرف چند اوراق دیکھیں گے جن میں قرآن ہوگا اور ان پر ایمان لائیں گے تو اس سے یہ وسوسہ نہ ہو کہ تم صحابہ کو متاخرین(۴) سے افضل بتلاتے ہو اور اس حدیث کی رو سے صحابہ سے متاخرین کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے پچھلوں کے ایمان کو اعجب ہی تو فرمایا

(۱) اللہ کا کیا فیصلہ ہے (۲) گہری نظر کے اعتبار سے (۳) مشکوٰۃ المصابیح: ۶۲۷۹، مجمع الزوائد ۱۰/ ۶۵ (۴) بعد میں آنے والے۔

ہے، اکمل واقوی وافضل تو نہیں فرمایا اور اعجب (۱) ہونے سے اکمل وافضل ہونا لازم نہیں آتا، پس اس حدیث کی بنا پر یہ مسلم ہے (۲) کہ متاخرین کا ایمان سب سے عجیب تر ہے مگر صحابہؓ کے ایمان سے افضل واقوی نہیں کیونکہ دوسرے دلائل سے یہ طے ہو چکا ہے کہ سب سے زیادہ کامل ایمان انبیاء علیہم السلام کا ہے، پھر ملائکہ کا، صحابہؓ کا، پھر جو صحابہؓ کے مشابہ ہو، اسی طرح ہر زمانہ میں دیکھتے جاؤ جو شخص صحابہؓ کے ساتھ اخلاق وعادات وطرز معاملات میں مشابہ تر ہوگا اس کا ایمان قوی تر ہوگا اور یہ جو میں نے کہا کہ اعجب ہونا قوی واکمل ہونے کو مستلزم نہیں اس کی ایک نظیر میرے پاس ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا حق تعالیٰ کا علیم وقدیر وسمیع ہونا عجیب تر ہے ہرگز نہیں بلکہ انسان کا علیم وحکیم ہونا عجیب ہے کیونکہ حادث ممکن کا صفات کمالیہ (۳) سے متصف ہونا واقعی تعجب کی بات ہے اور واجب قدیم کا صفات کمال سے موصوف ہونا کیا عجیب ہے وہ بھی صفات کمال سے موصوف نہ ہو تو اور کون ہوگا مگر انسان کے علم وحکمت کے عجیب ہونے سے اس کے علم وحکمت کا اکمل ہونا لازم نہیں بلکہ اکمل وافضل واقوی اللہ تعالیٰ ہی کا علم وحکمت ہے۔ یہ گفتگو درمیان میں ایک شبہ کے رفع کرنے کو شروع ہوگئی تھی کہ حضرات صحابہ کے ایمان کی قوت وفضیلت پر حدیث ای الخلق اعجب ایماناً سے شبہ نہ کیا جاوے میں یہ کہہ رہا تھا کہ مقاصد نصوص کا سمجھنا فقہ ہے جس میں حق تعالیٰ نے متقدمین کو فضیلت دی ہے، امام ابوحنیفہ امام شافعی وغیرہ اسی عمق فہم کی وجہ سے امام ہیں اس خاص صفت میں آئمہ مجتہدین سب ممتاز ہیں اور کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا، رہا یہ کہ پھر باہم مجتہدین میں کون افضل ہیں سو اس کے بیان کرنے کو ہمارا منہ نہیں ہم اس قابل نہیں کہ فقہاء میں تفاضل کریں کیونکہ اول تو ہمارا یہ درجہ نہیں، دوسرے ہمارے اندر احتیاط نہیں ہم تفاضل کے وقت دوسرے کی تنقیص کر دیتے ہیں۔

فضیلت انبیاء

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی فرماتے ہیں: ''لا تفضلوا بین الانبیاء'' (۴) کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور

(۱) بہت زیادہ تعجب خیز (۲) یہ بات تسلیم ہے (۳) جو شخص ہلاک ہونے والا ہے اس کا صفت کمال سے موصوف ہونا زیادہ تعجب کا باعث ہے (۴) الصحیح للبخاری: ۴/ ۱۹۴، الصحیح لمسلم الفضائل، ب ۴۲، رقم: ۱۵۹، کنز العمال: ۳۲۳۷۔

فرماتے ہیں ''لا ینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس ابن متی'' اس میں انا سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہر متکلم مراد نہیں (کما قیل ۱۲) یعنی کسی کو میری نسبت یہ کہنا لائق نہیں کہ میں یونس علیہ السلام سے افضل ہوں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر قطعی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تفضیلی گفتگو سے منع فرمادیا (نیز اس سے بھی منع فرمادیا کہ کسی نبی کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نبی سے افضل ہیں، بس اجمالاً ہی کہنا چاہیے کہ آپ سب سے افضل ہیں ۱۲) کیونکہ تفضیل سے دوسرے نبی کی تنقیص ہوجاتی ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو تفضیلی کلام کے مقابلہ میں تنقیص سے بچ سکیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غایت رحمت ہے کہ آپ نے ہم کو اس بات میں تفضیلی گفتگو سے بالکل منع فرمادیا اور اگر کسی کا اس باب میں تفضیلی گفتگو کرکے یہ خیال ہو کہ میرے کلام سے کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں آتی تو میں اس کے سامنے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس پر اپنی تقریر کو پرکھ لیا جائے وہ یہ کہ تفاضل انبیاء پر تقریر کرنے کے قبل یہ سوچ لے کہ اس مجلس میں سارے انبیاء علیہم السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہیں اور میں سب کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ظاہر کررہا ہوں۔ اس وقت معلوم ہوجاوے گا کہ کس مضمون کے بیان کی جرأت ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی۔ اس معیار سے اپنی اکثر تقریروں کا حدود سے متجاوز ہونا معلوم ہوجاوے گا اور اس کی فکر ہوگی کہ کسی لفظ سے ایہاماً بھی کسی دوسرے نبی کی تنقیص (۱) لازم نہ آجائے ورنہ وہ حضرات تو شاید خفا نہ ہوں مگر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوجائیں گے کیونکہ حدیث میں ہے: ''الانبیاء اخوۃ من علات واماتھم شتی ودینھم واحد''(۲) یعنی انبیاء میں باہم علاتی بھائیوں جیسا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ حضرات کیسے بھائی ہیں دنیا داروں کی طرح نہیں بلکہ ان میں باہم پورا اتحاد واتفاق ومحبت ہے تو ایسے بھائیوں میں سے ایک کو اپنے دوسرے بھائی کی تنقیص کب گوارہ ہوسکتی ہے ہرگز نہیں، حضرت اس معیار کو پیش نظر رکھ کر تم اپنی تمام تقریروں اور تحریروں کو جو باب تفاضل میں لکھی ہوں (۳) یا کی

(۱) مرتبہ میں کمی (۲) الصحیح للبخاری: ۴/ ۲۰۳، مسند احمد: ۲/ ۴۰۶، کنز العمال: ۳۸۸۵۶ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے بارے میں لکھی ہوں۔

ہوں جانچو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسی ہے جس کو بے تکلف تمام انبیاء کے سامنے پڑھ کر سناسکو، یقیناً ایسی تقریریں بہت کم ملیں گی، زیادہ حصہ وہی ہوگا جس کو سب کے سامنے پڑھنے کی تم کبھی جرأت نہیں کرسکتے (یہ بہت سچی ترازو ہے جو ایک رتی پر بھی جھک جائے گی اس کی قدر کرو) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں فتویٰ دیتے ہوئے یہ مراقبہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دے رہا ہوں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر میرے دل میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے تو میں فتویٰ نہیں دیتا۔ حضرت یہ وہ باتیں ہیں جن میں صوفیاء دوسروں سے ممتاز ہیں گو اس مضمون کا عقیدہ تو سب کو ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے خدا کے سامنے کرتا ہے مگر اس کا مراقبہ اور استحضار دوسرا اثر رکھتا ہے بس اسی مراقبہ سے تفاضل انبیاء کے وقت کام لو۔ ان شاء اللہ کلام میں اعتدال پیدا ہوجائے گا۔

سلسلوں کا ادب

ہمارے حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ سلاسل صوفیاء میں بھی ایک سلسلہ والوں کو دوسرے سلسلہ پر اپنی فضیلت ثابت نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر سلسلہ والے کے لیے دوسرے سلسلے کے بزرگ چچا ہیں اور چچا بمنزلہ باپ کے ہے۔ حدیث میں بھی ہے ''عم الرجل صنو ابیہ''(۱) یعنی عظمت وادب میں دونوں برابر ہیں، گو بعض حقوق میں باپ مقدم ہے لیکن تمہارا باپ یہ کبھی گوارہ نہیں کرسکتا کہ تم اپنے چچا کی یعنی باپ کے بھائی کی تنقیص وتوہین کرو۔ جب سلاسل ولایت میں بھی تفاضل سے اکابر نے منع کیا ہے تو تفاضل انبیاء تو یقیناً اشد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے فضائل کا تذکرہ کرنا

اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے فضائل احادیث میں بیان فرمائے ہیں اس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ ان کے معلوم ہوجانے سے متبعین کو تسلی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا متبوع دیا اور اتباع پر زیادہ رغبت ہوگی۔ گو یہ علوم خود بھی مقصود ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) سنن النسائی: ۳/ ۳۳۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰/ ۳۵۳، کنز العمال: ۳۳۹۴۔

کا مقصود ترغیب اتباع ہی معلوم ہوتا ہے۔ (او یتحمل ان یکون امتثالا لامرہ تعالٰی وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ)(۱) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق یہ تھا کہ آپ کو اتباع احکام کا سب سے بڑھ کر اہتمام تھا اور جس چیز کو اس میں دخل ہوتا آپ اس کو اختیار کرنے کی کوشش فرماتے ، اس کے متعلق کہ آپ کو اتباع کا زیادہ اہتمام ہے۔ بہ نسبت بیان فضائل کے ایک مرد صالح کا خواب بھی ہے جو بعض رسائل میں طبع بھی کرادیا ہے ان کو مولود وغیرہ کا بہت شوق تھا، محض غلبہ محبت نبویہ کی وجہ سے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرمارہے ہیں ہم زیادہ تعریف سے خوش نہیں بلکہ ہم اس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارے احکام کا اتباع کرے مگر آج کل حالت یہ ہے کہ شعراء ایک نعتیہ دیوان لکھ کر اپنے کو سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرب سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ عمل کی یہ حالت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل خلاف ہے ۔ یقینا ایسی تعریف سے رسول اللہ ﷺ خوش نہیں ہوسکتے پس حضور ﷺ کے مذاق پر نظر کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے فضائل کو زیادہ ترغیب اتباع کی نیت سے بیان فرمایا ہے۔

شبہ کا جواب

اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ فضائل تو عقائد کی قبیل سے ہیں جو خود مقصود ہوتے ہیں اور تم ان کو مقصود بغیرہ بتاتے ہو، میں کہتا ہوں کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ ایک شی مقصود بالذات بھی ہو اور دوسرے مقصود میں معین بھی (۲) ہو آپ کو خبر نہیں مقاصد شرعیہ کی ایسی حالت ہے جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ ہر مقصود دوسرے کا جاذب (۳) اور اس میں معین ہے۔ پس عقائد کا مقصود بالذات ہونا اوروں کے مقصود للاعمال ہونے کے منافی نہیں اور میں نے اس مسئلہ کو قرآن سے سمجھا۔ حق تعالٰی فرماتے ہیں: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ

(۱) ”یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اللہ کے حکم کی بنا پر اپنے فضائل کو ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیجئے (۲) کوئی چیز خود مقصود بھی ہو اور حصول مقصود میں مددگار بھی (۳) دوسرے کو کھینچتا ہے۔

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ۔(۱)

بتلایئے اس آیت میں لام غایت کا متعلق کون ہے مذکور تو ہے نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی جزو اس کا صالح نہیں لامحالہ مقدر ماننا پڑے گا اب یہ بھی سمجھ لو کہ مقدر کیا ہے تو اس لام سے اوپر اللہ تعالیٰ نے مسئلہ تقدیر بیان فرمایا ہے یعنی تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ آفاقی ہو یا نفسی وہ ایک کتاب میں اپنے ظہور سے پہلے لکھی ہوئی تھی چونکہ یہ عجیب بات تھی اس لیے فرماتے ہیں کہ تعجب نہ کرو اللہ کو یہ سب آسان ہے اب اس مسئلہ کے بتلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو یہ مسئلہ اس لیے کیوں بتلایا تاکہ تم فائت (۲) پر غم نہ کرو اور عطا کی ہوئی چیز پر اتراؤ نہیں پس وہ مقدمہ اخبرنا کم بہ ہے۔

اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے حزن وبطر (۳) رفع ہوجاتا ہے اور حزن جڑ ہے تعطل ظاہر کی، اور تکبر وبطر اصل ہے تعطل باطن کی، یعنی غمگین و پریشان آدمی ظاہر میں تمام دین ودنیا کے کاموں سے معطل ہوجاتا ہے (۴) اور متکبر آدمی کا دل خدا کے تعلق سے معطل ہوجاتا ہے (۵) جب تک تکبر نہ نکلے خدا کے ساتھ دل کو لگاؤ نہیں ہوسکتا، یہ تو تقدیر کو دخل تھا اعمال میں۔

عقیدہ توحید کا عمل میں دخل

اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ توحید جو اعظم العقائد واساس العقائد ہے اس کو بھی اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں:

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس — ہمیں ست بنیاد توحید وبس(۶)

(۱) ''کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم رنج (اتنا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں'' سورۃ الحدید: ۲۲۔ ۲۳ (۲) فوت شدہ پر (۳) غم وتکبر (۴) کام چھوڑ دیتا ہے (۵) خدا سے تعلق توڑ لیتا ہے (۶) ''موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں۔ امید اور خوف اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے''۔

یعنی توحید سے مخلوق کا خوف وطمع زائل ہوجاتا ہے جب اتنا بڑا عقیدہ بھی اصلاح اعمال میں دخیل ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اعتقاد کو آپ کے اتباع میں دخیل مانا جاوے تو کیا اشکال ہے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصود ہے۔ (گو وہ فضائل ایک درجہ میں مقصود بالذات بھی ہیں)۔

اس لیے حضور ﷺ نے اس میں زیادہ کاوش سے منع فرمایا کیونکہ جو مقصود ہے اس اعتقاد فضیلت سے وہ بدون تفصیل کے بھی صرف اجمالی اعتقاد سے حاصل ہوسکتا ہے اسی طرح ہمارے اکابر نے اولیاء ومجتہدین میں بھی تفاضل سے منع فرمایا ہے غرض متقدمین کو فقہ اور تعمق نظر کی وجہ سے متاخرین پر فضیلت ضرور ہے لیکن باہم متقدمین میں سے کس کو کس پر فضیلت ہے اس سے بحث نہ کرنا چاہیے۔

حدیث کی تشریح

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ لوگوں نے حدیث تضاعف ثواب فی رمضان کے باب میں شارع کا مقصد نہیں سمجھا اور فقہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر یہ عمل کیا کہ تفاضل حسنات کے لیے طاعات کو مؤخر کرنے لگے کہ اگر کسی کا زکوٰۃ کا سال ۲۸ شعبان کو پورا ہوتا ہے تو وہ ۲۸ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا بلکہ رمضان کے لیے اس کو ملتوی کرتا ہے چاہے غریب مسکینوں کا (جن کا یہ مال زکوٰۃ شرعی حق ہے) خاتمہ ہی ہوجائے ارے تم کو کیا خبر ہے کہ مساکین پر کیا گزر رہی ہے تم کو یکم رمضان کا انتظار ہے اور اس غریب کی روح کو ایک ایک گھڑی کا انتظار ہے۔ بس وہ حال ہوگا۔

تاتو بمن می رسی من بخدامی رسم (۱)

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا رسول اللہ ﷺ کا مقصود یہ نہیں کہ رمضان تک طاعات کو مؤخر کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رمضان میں طاعات کے اندر جلدی کی جائے یعنی جس طاعت کی ہمت ہوسکے اور جس عمل صالح کی توفیق ہوسکے اس کو جلدی رمضان ہی میں کردو، رمضان کے بعد کے لیے

(۱) ''جب تک تو مجھ تک پہنچے گا میں خدا تک پہنچ جاؤں گا''۔

مؤخر نہ کرو کیونکہ رمضان میں ثواب زیادہ ہے، پس تضاعف حسنات کا مقصود تو تعجیل اعمال فی رمضان تھا(۱)، لوگوں نے اس سے تاخیر اعمال الی رمضان (۲) سمجھ لیا۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا(۳)

صدقات کی ادائیگی میں تعجیل

اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ جس شخص کا سال زکوٰۃ ۲۸ شعبان کو پورا ہو تو کیا وہ شعبان ہی میں صدقہ کردے اس کے جواب میں میں تو یہی کہوں گا کہ ہاں دیر نہ کرے، رمضان کا انتظار نہ کرے، رہا یہ سوال کہ کیا شعبان میں وہی ثواب ہوگا جو رمضان میں ہوتا تم اس کا ٹھیکہ لیتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ میں ٹھیکدار تو نہیں ہوں ہاں ٹیکہ دار ہوں کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ قواعد پر ٹیک (۴) لگا کر کہتا ہوں کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تاخیر طاعت مطلوب نہیں بلکہ تسارع وتسابق الی الخیر مقصود ہے(۵)۔ چنانچہ ''فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ''(نیکیوں میں سبقت کرو) يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ (وہ نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں) نص میں وارد ہے اس لیے میں جزم کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تاخیر فی الخیر شارع کو ہرگز مطلوب نہیں اور میں قواعد سے کہتا ہوں کہ جس کو شعبان میں صرف (۶) کا موقع ملے وہ ہرگز تاخیر نہ کرے اس کو شعبان ہی میں اتنا ثواب ملے گا جو شاید رمضان کے ثواب سے بھی بڑھ جائے کیونکہ انفاق فی رمضان سے کمیۃً ثواب بڑھتا ہے اور تعجیل وسبقت فی الخیر سے کیفیۃً ثواب زیادہ ہوتا ہے اور کیفیت میں کمیت سے زیادہ مطلوبیت ہے۔ صاحبو! میں اس کی نظیر علماء کے کلام سے اپنے پاس رکھتا ہوں، حدیث میں ہے کہ مسجد محلہ میں نماز پڑھنے سے ۲۵ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازوں کا مگر محلہ والوں کو یہ جائز نہیں کہ محلہ کی مسجد چھوڑ چھوڑ کر جامع مسجد میں نماز پڑھنے جایا کریں اگر ایسا کروگے تو گناہ ہوگا۔ اس مقام پر علماء نے لکھا ہے کہ جامع مسجد کی نماز اس شخص کے حق میں کمیۃً زیادہ ہے اور مسجد محلہ کی

(۱) رمضان میں نیک عمل جلدی جلدی کرلینا (۲) نیک اعمال کو رمضان تک مؤخر کرنا سمجھ لیا (۳) ''اس فرق کو دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے'' (۴) اعتماد کرکے (۵) خیر کی طرف بڑھنا اور اس کے کرنے میں جلدی کرنا مقصود ہے (۶) خرچ کا موقع ملے۔

نماز کیفیۃً زیادہ ہے (کیونکہ اس کے ذمہ اس مسجد کی آبادی واجب ہے تو یہ شخص مسجد میں نماز بھی پڑھتا ہے اور واجب عمارت کو بھی ادا کرتا ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے واجب عمارت (۱) ادا نہ ہوگا (کیونکہ اس کے ذمہ اس کی عمارت وآبادی واجب نہیں بلکہ یہ واجب جامع مسجد کے محلہ والوں کے ذمہ ہے ۱۲) ہاں اگر کوئی جامع مسجد کے محلہ میں جا بسے (۲) تو اور بات ہے پر اس کو کیفیت وکمیت دونوں میں ترقی ہوجائے گی۔ گو قرب سے بعد اقدام (۳) کا بھی خسارہ ہوجائے گا۔ بس تم اپنے حساب اور قواعد کو رہنے دو اس تین پانچ کو جانے دو جو حکم ہوجائے اس کو مان لو اپنی طرف سے حساب نہ لگاؤ کہ اس وقت جمع کرنے میں ثواب کم ہوگا رمضان میں زیادہ ہوگا۔ صاحبو! یہ تسلیم کہ رمضان میں زیادہ ہوگا مگر یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ اس وقت کم ہوگا ممکن ہے اس وقت ہی زیادہ مل جائے کیونکہ اس وقت خرچ کروں گا تو ادا ہوگا اور رمضان تک تاخیر کروگے تو قضا ہوجائے گا اور ادا میں جو لطف ہے وہ بات قضا میں کہاں، تم کو آخرت کے حقائق وخواص کی کیا خبر۔

''یومئذ تحدث اخبارھا'' کی عجیب تحقیق

تم ان کے متعلق قیاس سے کام نہ لو اہل سائنس کو اقرار ہے کہ اب تک خواص اشیاء کا ان کو اتنا بھی علم نہیں ہوا جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ، حالانکہ حیرت درحیرت انگیز ایجادات ہورہی ہیں۔ اخبار میں دیکھا ہے کہ امریکہ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ اس کو پرانے کھنڈروں اور ویرانوں میں لگایا جائے تو پہلے زمانہ کی تمام باتیں جو اس گھر کے آدمیوں نے اس گھر میں کی تھیں اس آلہ کے ذریعے سے سنائی دیں گی اب بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ یہ آوازیں کرہ ہوا میں اب تک موجود ہیں مگر ان کے ادراک کے لیے لطیف آلہ کی ضرورت تھی وہ اب ایجاد ہوگیا، پہلے ایجاد نہ ہوا تھا اس لیے کوئی ان باتوں کو نہ سن سکا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ روحوں کی آواز سے ارواح بولتی ہیں اب میں اس

(۱) مسجد کو بذریعہ عبادت آباد کرنے کا واجب (۲) رہنے لگے (۳) مسجد کے قریب رہائش رکھنے کی صورت میں دور سے آنے پر جو ہر قدم پر نیکی ملتی ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں اس کا نقصان ہوگا۔

خبر کو بیان کر کے کہتا ہوں کہ قرآن نے کہا تھا کہ قیامت کو زمین بولے گی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ (اس روز وہ اپنی خبریں بیان کرے گی) تو اس کا سب نے انکار کیا اور کہا بھلا یہ کس طرح ہوگا، زمین کیونکر بولے گی کیا اس کے بھی زبان ہے قرآن نے اس کا بڑا زبردست جواب دیا ہے ''بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا'' یعنی زمین اس لیے بولے گی کہ خدا کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس جواب نے سب سائنس والوں کی گردنیں توڑ دیں کیونکہ اسباب ظاہرہ میں تو وہ شبہات نکال سکتے تھے اس میں کیا شبہ نکال سکتے ہیں کیونکہ یہ تو حقیقی سبب ہے اگر اس میں کلام کریں گے کہ کیا زمین کے زبان ہے تو ہم سوال کریں گے، تو اچھا بتلاؤ یہ زبان کیونکر بولتی ہے کیا اس کے بھی زبان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب عالم اسباب کے حقائق کا اب تک احاطہ نہیں ہوسکا تو عالم آخرت کے حقائق کا تو کون احاطہ کرسکتا ہے۔ پھر آپ وہاں کے ثواب وغیرہ کے بارے میں اپنا حساب اور قاعدہ رہنے دیجئے۔

فضول حساب

چنانچہ بعض لوگوں نے حقوق العباد کے بارے میں ایک حساب لگایا ہے کہ زید کا ہمارے ذمہ حق ہے اور عمرو کے ذمہ ہمارا حق ہے تو اب ہم کو زید کے حق کی فکر کرنا کیا ضرور، قیامت میں اگر زید ہم سے اپنے حق کا مطالبہ کرے گا تو ہم عمرو پر حوالہ کردیں گے کہ اس کے ذمہ ہمارا حق ہے اس سے وصول کرلو، اس طرح مقاصہ ہوجائے گا(۱)۔ مگر اول تو کیا ضرور ہے کہ دوسروں کے ذمہ آپ کے حقوق اتنے ہی ہوں جتنے دوسروں کے آپ کے ذمہ ہیں، دوسرے فرض کرلیا جائے کہ برابر ہی ہوگئے مگر ممکن ہے کہ پھر بھی مقاصہ نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تو تمہارا حقوق کی ادائیگی کی فکر میں عمر بھر لگا رہا ہو مگر افلاس یا کسی عذر کی وجہ سے مجبور رہا ہو (اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم خود حقوق کو ادا کردیں گے اور اس شخص پر اصلاً مواخذہ نہ ہوگا ۱۲) اور تم اس مقاصہ کے حساب سے بے فکر ہوگئے ہو تم نے ابھی سے دوسرے کا حق مارنے کی ٹھان لی ہے تو تم اور وہ برابر کہاں ہوئے تم پر ظلم وغصب وخیانت وغیرہ متعدد دفعات قائم ہیں اور اس پر صرف ایک دفعہ تھی کہ قرض لے کر ادا نہیں کیا۔ تیسرے ممکن ہے کہ حقوق کے مکافات مکسوب اعمال سے ہوسکے(۲)

(۱) ادلہ بدلہ ہوجائے گا (۲) حقوق کی ادائیگی ان اعمال سے ہو جو اس نے خود کئے ہوں۔

اور موروث اعمال سے نہ ہو سکے (۱) اس لیے دوسرے شخص کی جو نیکیاں تم کو ملی ہیں وہ معاوضہ ان حقوق کا نہ ہو سکیں جو تمہارے ذمہ ہیں تو یہ حساب محض لغو ہے خدا سے ڈرنا چاہیے کہیں بنیے کے حساب کی طرح نہ ہو جائے کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں (۲)۔

فضول سوال

بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جس عورت کے کئی نکاح ہوئے ہوں (۳) وہ کس کو ملے گی یہ سوال بھی محض فضول ہے کیونکہ یہ تو یقینی ہے کہ وہاں کسی کو قلق نہ ہوگا (۴) سب کے سب خوش وخرم رہیں گے، یہ نہ ہوگا کہ شوہروں میں باہم لڑائی جھگڑا ہو، وہ کہے میں لوں وہ کہے میں لوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے خاوند کو دنیا ہی کی عورتوں میں سے کوئی عورت ایسی ہی حسین یا اس سے بہتر دیدیں کیونکہ دنیا میں بہت لڑکیاں بغیر شادی کے بھی تو مرجاتی ہے یا حوریں زیادہ دیدیں، غرض اللہ تعالیٰ سب کو خوش کردیں گے، جنت میں کوئی غمگیں نہ ہوگا اس لیے یہ سوال محض فضول۔ غرض یہ کہ تم خدا کے ساتھ حساب نہ لگاؤ حساب وہاں کیا کرتے ہیں جہاں مساوات ہو (۵)، دیکھو دکاندار ہم سے اور آپ سے تو حساب کرتے ہیں اور بادشاہوں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتے وہاں تجارتی مال کو بھی ہدیہ کہہ کر پیش کرتے ہیں اور جب وہاں سے قیمت پوچھی جاتی ہے تو قیمت نہیں بتلاتے بس یہی کہتے ہیں کہ اس کی کچھ قیمت نہیں صرف حضور کی خوشنودی ہی سب کچھ قیمت ہے اس کے بعد ان کو قیمت سے بھی بہت زیادہ مل جاتا ہے۔

عطاء الٰہی کا کوئی حساب نہیں

پھر غضب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حساب کتاب کرتے ہو جن کا حق یہ ہے کہ

(۱) ان اعمال سے بدلہ نہ دیا جاسکے جو اس کو وراثت میں یا بدلے میں ملے ہوں (۲) اس کے قصہ یہ ہے کہ ایک بنیے نے ندی میں بیل گاڑی گزارنے کے لیے پانی کی گہرائی کا حساب اوسط سے نکالا کہ شروع میں اتنا ہے بیچ میں زیادہ آخر میں کم سب کا اوسط نکالا تو بیل گاڑی کی اونچائی زیادہ معلوم ہوئی پس بیل گاڑی ندی میں ڈالدی جب بیچ ندی میں گہرے پانی میں بیل گاڑی ڈوبی تو کہنے لگا حساب تو صحیح پھر کنبہ کیوں ڈوب گیا (۳) ایک شوہر کے انتقال کے بعد دوسرا شوہر کرلیا اور اس سے علیحدگی کے بعد تیسرا (۴) رنج نہ ہوگا (۵) برابری۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز ومن چیز تست(۱)

کیونکہ سب چیزیں تو ان ہی کی ملک ہیں اور حساب وہاں ہوتا ہے ایک عوض ایک عاقد(۲) کا ہو دوسرا عوض دوسرے عاقد کا اور یہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔(۳) کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنت کے بدلہ میں ان کے جان ومال کو خرید لیا ہے جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جان ومال ہماری ملک ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے تم بچہ کو بلا تملیک پیسہ دے دیتے ہو(۴) اور انفاق کی عادت ڈالنے کے لیے اس کے ہاتھ سے مدرسہ میں دلواتے ہو، اب مدرسہ کی کارروائی میں بچہ کا نام چھپے گا کہ فلاں بچہ نے مدرسہ میں چندہ دیا تھا، کارروائی میں اپنا نام دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے تو کیا حقیقت میں چندہ دینے والا وہ بچہ ہے یا آپ ہیں اس کو خود سمجھ لیجئے۔

تربیت اولاد

اور یہاں استطراداً(۵) اس کے متعلق چند باتیں یاد آگئیں وہ بھی بتلادوں، ایک یہ کہ باپ کو مناسب ہے کہ بچہ کے ہاتھ سے بھی کبھی کبھی خرچ کرایا کرے کبھی اس کے ہاتھ سے فقیر کو دلوادیا کبھی مدرسہ میں دلوادیا تاکہ اس کا حوصلہ بڑھے اور مال کی حرص نہ پیدا ہو، دوسرے یہ کہ جب بچوں کے ہاتھ سے کسی دوسرے کو رقم دلواؤ خواہ فقیر کو یا مدرسہ کو تو اس وقت یہ رقم بچہ کو ہبہ نہ کرو بلکہ اباحت کے طور پر دو ورنہ وہ اس کی ملک ہوجائے گی پھر ہبہ صبی (۶) حرام ہوگا اور اگر غلطی سے ایسا ہوجائے تو فقیر سے یا مدرسہ والوں سے رقم واپس نہ لو بلکہ خود بچہ کو اس کے عوض اور رقم دیدو جس میں نیت عوض کی قید ضروری ہے ورنہ یہ مستقل ہبہ ہوگا، پہلے کا عوض نہ ہوگا اور مدرسہ والوں کو چندہ کرنے والوں کو بھی چندہ لیتے ہوئے ان مسائل کا لحاظ رکھنا چاہیے یہ چندہ جمع کرنے والے ہر شخص کی رقم لے لیتے ہیں خواہ کوئی بچہ دے یا عورت اور ان مسائل کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔

(۱) ”ہم اپنے گھر سے کچھ نہیں لائے ہیں جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ ہی کا عطیہ ہے“ (۲) ایک چیز ایک کی ہو دوسری چیز دوسرے کی جس کو ادلتے بدلتے ہوں (۳) سورۃ التوبۃ:۱۱۱ (۴) بغیر مالک بنائے (۵) ضمناً (۶) بچہ کا ہبہ کرنا جائز نہیں۔

چندہ لینے میں احتیاط کی ضرورت

چنانچہ پانی پت میں ایک مدرسہ کے سفیر جو واعظ النساء تھے کہ ہمیشہ عورتوں ہی میں وعظ کہا کرتے تھے، تشریف لائے اور چندہ کا وعظ کہا ان کو ایک ہی حدیث یاد تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے عورتو! میں نے تم کو جہنم میں سب سے زیادہ دیکھا ہے، پس صدقہ کر کے اپنے کو جہنم سے بچاؤ، اگرچہ زیور ہی میں سے ہو اسی حدیث کا ہمیشہ بیان کرتے تھے، عورتیں مردوں کے اعتبار سے زیادہ مالدار ہیں کیونکہ تھوڑا بہت زیور ہر عورت کے ہاتھ کان میں ہر وقت ہوتا ہے نیز یہ مردوں سے زیادہ سخی بھی ہیں کیونکہ زیور میں ان کو کونسی مشقت پڑی تھی یا تو شوہر نے کما کر بنا دیا، یا ماں باپ نے جوڑ جاڑ کر چڑھا دیا ان کو تو ہر حال میں مفت ہی پڑتا ہے اس لیے چندہ کے وعظ میں ان کے ہاتھ کان سے بہت جلدی زیور نکلنے لگتا ہے وہ سفیر صاحب غالباً اسی لیے عورتوں میں زیادہ وعظ کہتے تھے کہ یہ مالدار بھی ہیں اور عقل سے کوری(۱) بھی ہیں ہر شخص کی باتوں سے متاثر ہوجاتی ہیں ان سے چندہ خوب ملے گا۔ چنانچہ ہر وعظ کے بعد ان کے پاس بہت سا زیور جمع ہوجاتا تھا ایک دن کسی عورت نے اپنے کان کی سونے کی بالیاں چندہ میں دیدیں، سفیر صاحب بڑے خوش ہوئے مگر تھوڑی ہی دیر میں ان کی خوشی کرکری ہوگئی کیونکہ اس عورت کا خاوند جو گھر میں آیا اس نے بیوی کے کان ننگے دیکھے، پوچھا بالیاں کیا ہوئیں؟ کہا مدرسہ کے چندہ میں دیدیں کہا بیوقوف تو کون تھی دینے والی تجھے پہننے کو دی تھیں یا تیری ملکیت بنادی تھی اس کے بعد وہ سفیر صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو میری بیوی نے سونے کی بالیاں چندہ میں دی تھیں وہ واپس کردیجئے کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں ہیں میری ملک ہیں اور اس نے میری بغیر اجازت دی ہیں۔

سیدھی اور معقول بات تھی مگر سفیر صاحب کسی طرح واپس دینے کو تیار نہ ہوئے اور اس سے جھگڑا کرنے لگے، ان دنوں میں بھی وہاں گیا ہوا تھا، سفیر صاحب میرے پاس آئے، میں نے ان سے کہا کہ آپ معقول بات کو کیوں نہیں مانتے اور

(۱) عقل سے عاری۔

بالیاں واپس کیوں نہیں دیتے تو انہوں نے بڑا عذر یہ کیا کہ میں تو سو روپیہ کی رسید کاٹ کردے چکا ہوں اب اگر بالیاں واپس دے دوں تو مدرسہ والے تو مجھ سے سو روپے وصول کرلیں گے کیونکہ رسید کٹی ہوئی ہے، میں نے کہا اس کی تدبیر یوں کیجئے کہ ان سے وہ رسید منگوالیجئے اور اس پر ان کے قلم سے لکھوالیجئے کہ ہم نے یہ چندہ واپس لے لیا اور دستخط کراکے ایک دو گواہیاں بھی کرالیجئے، اسی طرح مثنی رسید(۱) پر جو آپ کی بھی ہیں واپسی مع دستخط اور گواہوں کے لکھوالیجئے پھر مدرسہ والے آپ سے کچھ نہ کہیں گے، یہ تدبیر سن کر مولوی صاحب کے حواس درست ہوئے ان کا بال بال بچا(۲) اور اس غریب کی بالی بچی۔ پس عورتوں سے چندہ لینے والوں کو بڑی احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ یہ اکثر بدوں شوہر سے پوچھے بغیر شوہر ہی کے مال میں سخاوت کیا کرتی ہیں یہ مسائل درمیان میں استطراداً مذکور ہوگئے۔

جنت کی نعمتیں محض فضل الٰہی ہے

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح آپ بچہ کے ہاتھ رقم دلوا کر بچہ کا نام کردیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کا نام کررہے ہیں ورنہ بتلایئے کہ جان آپ کی کدھر سے ہوگئی، مال آپ کا کدھر سے ہوگیا، یہ تو سب کچھ حق تعالیٰ کا ہے آپ کا نام برائے نام ہے اب بتلاؤ اس کے عوض میں جو کچھ جنت کی نعمتیں ملیں گی وہ عوض ہے ہرگز نہیں بلکہ سراسر فضل ورحمت ہے۔

برائے نام ملکیت کا فائدہ

مگر اس برائے نام ملک کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور اس کو ملک حقیقی ہی کے احکام دیئے ہیں یہ شریعت کا بڑا احسان ہے ورنہ اگر یہ نہ ہو اور حقیقت کا مسئلہ عملاً بھی مان لیا جائے کہ

درحقیقت مالک ہر شے خداست ایں امانت چند روزہ نزد ماست(۳)

(۱) رسید کی نقل (۲) عذاب آخرت سے بچے (۳) ”درحقیقت ہر چیز کے مالک حق سبحانہ وتعالیٰ ہی ہیں، یہ امانت صرف چند روز کے لیے ہمارے پاس ہے“۔

تو عالم میں فساد برپا ہوجائے کوئی کسی کی بیوی کو لے بھاگے کوئی کسی کی نقدی اور زیور پر قبضہ کرلے اور جب مالک کہے کہ یہ تو میری چیز ہے اس کو یہی کہہ کر دھمکادے کہ تیری کہاں سے آئی تھی سب چیزیں خدا کی ہیں ہم بھی خدا کے ہیں آج تک تو نے برتا اب ہم برتیں گے، اس مسئلہ پر عمل ہونے لگے تو پھر شیخ صاحب پٹھانوں جیسے کام کرنے لگیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

سر پنہان ست اندر زیروبم فاش اگر گویم جہاں برہم زنم (۱)

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہی مطلب بیان فرمایا تھا کہ اگر توحید کو ظاہر کردوں تو نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا اس کی وجہ یہی ہے کہ توحید کا تو یہی مقتضا ہے کہ خدا تعالیٰ کے روبرو کسی کی ملک ملک نہیں ایک مقام پر مولانا نے اس کے مناسب ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک ایسا ہی شخص ایک شخص کے باغ میں گھس کر انگور کھانے لگا، باغبان آ گیا تو اس کو دیکھ کر بھی آپ ڈرے نہیں بے تکلف کھاتے رہے، اس نے دھمکایا کہ نامعقول یہ کیا کر رہا ہے، بدون اجازت کے میرا پھل کھا رہا ہے تو وہ صاحب حقیقت بولے بس خاموش رہ بک بک نہ لگا، باغ بھی خدا کا پھل بھی خدا کا ہاتھ بھی خدا کا میں بھی خدا کا پھر تو روکنے والا کون ہے اس نے نوکر کو آواز دی کہ ایک رسا اور ڈنڈا لانا اور اس میں اس کو جکڑ کر ڈنڈے سے مارنا شروع کیا اب وہ لگا چلانے تو باغ والا کہتا ہے کہ بس خاموش رہو رسا بھی خدا کا، خٹکاف بھی خدا کا پھر چلانے کی کیا بات ہے۔ غرض خوب مارا آخر اس نے عقیدہ سے توبہ کی اور کہا:

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار اختیارست اختیارست اختیارست (۲)

فرقہ جبریہ کا رد

اہل جبر وہی لوگ ہیں جو حقیقت کے قائل ہیں اور اختیار کے انکار سے شریعت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ درحقیقت مالک ہر شی خداست میں اتنا اور اضافہ کردیا کہ فاعل ہر شی نیز خداست کہ ہر کام کرنے والا بھی انسان نہیں بلکہ خدا ہی ہے اور صفت

(۱) ''ہر نشیب وفراز میں ایک ایسا راز پوشیدہ ہے جس کو اگر صاف صاف کہوں تو دنیق تہہ وبالا ہوجائے''

(۲) ''اے عیار میں نے جبر سے توبہ کرلی، اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے''۔

اختیار سے جو خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے انکار کر بیٹھے ہیں، میں کہتا ہوں بہت اچھا اگر انسان کو اختیار کچھ نہیں ہے تو پھر سب کو اعمال صالحہ کے بعد بھی جہنم کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ آپ نے یہ اعمال تھوڑا ہی کیے ہیں آپ تو مجبور تھے جیسے یہاں مجبور ہو، آخرت میں بھی مجبور ہو، اللہ تعالیٰ جہاں بھیج دیں چلے جانا۔ صاحبو! انسان میں صفت اختیار کا ہونا دلیل کا محتاج نہیں بلکہ یہ وجدانی امر ہے ہر شخص وجدان سے اس کو محسوس کرتا ہے کہ ہاں میرے اندر اختیار ہے۔ دیکھئے مرتعش (جس کے ہاتھ میں رعشہ ہو) اور کاتب کی حرکت ید میں فرق بین (۱) ہے پہلا شخص حرکت میں مجبور ہے دوسرا مجبور نہیں (ایک شخص کو ڈھاکر زبردستی اس کا منہ کھول کر کسی نے شراب پلادی اور ایک نے روپیہ ہاتھ میں لیا اور شراب کی بھٹی پر گیا، بھاؤ تاؤ کیا اور بوتل خرید کر پی لی، کیا دونوں برابر ہیں ہرگز نہیں بلکہ مجبور پہلا شخص ہے دوسرے کو مجبور کوئی نہیں کہہ سکتا ۱۲) اور یہ ایسا فرق ہے جس کو حیوانات بھی جانتے ہیں اگر آپ کتے یا بھیڑیئے کے ڈھیلا یا لاٹھی ماریں تو وہ لاٹھی ڈھیلے پر حملہ نہ کرے گا بلکہ آپ پر حملہ کرے گا وہ بھی جانتا ہے کہ لاٹھی اور ڈھیلے کی خطا نہیں وہ تو مجبور ہے خطا آدمی کی ہے جو اختیار سے ہم کو ستا رہا ہے۔ بہرحال اگر شریعت نہ ہو تو حقیقت سے تو سارے عالم میں فساد ہو جائے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ شریعت نے جو انسان کے برائے نام ملک اور اختیار کو تسلیم کر کے اس کے احکام مقرر کیے ہیں اس سے یہ تو مقصود نہیں کہ تم حق تعالیٰ کے سامنے بھی اپنی ملک جتلایا کرو بس انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیقت پر نظر رکھے کہ اپنی جان کو اپنی جان نہ سمجھے نہ مال کو اپنا مال سمجھے نہ اپنے کمالات کو اپنے کمالات سمجھے بلکہ سب کو عطایائے حق سمجھتا رہے اور بندوں سے معاملہ کرنے میں شریعت پر نظر رکھے، یہ ایک اشکال تھا جس کو میں نے درمیان میں حل کر دیا۔

اہتمام حسنات واجتناب سیئات (۲)

اب اصل بات کی طرف عود کرتا ہوں کہ تم حق تعالیٰ سے حساب نہ کرو اور شعبان و رمضان میں تفاوت نہ کرو جب موقع ہو فوراً خرچ کر دو تم کو کیا خبر اس وقت کتنا ثواب ملا رمضان سے کم ملا یا زیادہ کیا عجب ہے کہ اس وقت ضرورت کے وقت جو مسکین کو

(۱) واضح (۲) نیکیوں کا اہتمام اور برائیوں سے بچنا۔

سہارا مل گیا ہے اس کی دعا عرش سے کتنی اوپر گئی ہوگی اور اس دعا سے تم کو کیا کچھ ملا ہوگا اور مان لو کہ اس وقت رمضان سے کم ہی ثواب ملا تو تم کو یہ کیا خبر ہے کہ رمضان تک تم زندہ رہو یا نہ رہو اور یوں امید تو پہلے زمانہ میں بھی کسی کو نہ تھی کہ ایک دن یقینا زندہ رہیں گے مگر پہلے زندگی کی ایسی ناامیدی بھی نہ تھی جیسی آج کل ہوگئی ہے کیونکہ آئے دن نئی نئی وبائیں، قسم قسم کی بلائیں آتی رہتی ہیں اب تو ایک دن کا بھی بھروسہ نہیں، اگر کہو کہ ہم وصیت کر جائیں گے کہ رمضان میں اتنی رقم دیدی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وصیت کا ثواب اپنے ہاتھ سے دینے کے برابر نہیں، دوسرے کیا بھروسہ ہے کہ ورثہ ادا کریں گے یا نہیں یہ غلطی تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو راغب الی الخیر ہیں (۱) اور جو راغب الی الخیر نہیں ہیں ان کے یہاں تو رمضان کا مہینہ آتا ہی نہیں جیسا ایک جنٹلمین کا قصہ ہے کہ رمضان میں ایک دوست ان سے ملنے گئے تو دیکھا کہ بے تکلف ناشتہ کر رہے، سگریٹ پی رہے ہیں کہا کیا آپ رمضان میں ایسا کرتے ہیں، کہنے لگے رمضان کیا ہوتا ہے کہا ایک مہینہ کا نام ہے تو جنٹلمین نے مہینوں کی گنتی شروع کی جنوری،، فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی الخ کہا ان میں تو رمضان کا نام کہیں بھی نہیں یہ تو نمبر اول کے جنٹلمین تھے اور جو نمبر دوم کے جنٹلمین ہیں ان کے یہاں رمضان آتا تو ہے مگر بلائے بے درماں (۲) کی طرح آتا ہے کیونکہ وہ سارے سال تو مشغول رہتے ہیں جنوری فروری میں رمضان کی خبر ان کو ایک دم ہوجاتی ہے کہ آج رمضان آ گیا تو وہ گھبرا کر کہتے ہیں کہ ابھی ابھی تو گیا تھا ابھی پھر آ گیا۔ صاحبو! مسلمانوں کو تو شمسی حساب میں ایسا غلو نہ چاہیے کہ سال بھر بھی اسلامی مہینوں کی خبر نہ ہو یہ میں نے مانا کہ تجارتی ضرورتیں شمسی حساب پر مجبور کرتی ہیں تو میں اس سے منع نہیں کرتا آپ تجارتی کاغذات میں اسی سے حساب رکھئے مگر نجی معاملات میں کونسی مجبوری ہے دوستوں کو جو رات دن خطوط لکھے جاتے ہیں ان میں شمسی حساب کی کیا ضرورت ہے اس کو چھوڑو اور اپنی نجی خط و کتاب میں قمری حساب کو استعمال کرو۔ غرض اس میں شک نہیں کہ رمضان میں تضاعف حسنات ہوتا ہے (۳) اور اس لیے تمام سال میں رمضان کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے مگر اس

(۱) جن کو نیکی کا خیال ہوتا ہے (۲) لاعلاج مصیبت (۳) نیکیوں میں زیادتی۔

کا یہ مطلب نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے کہ اس کی وجہ سے طاعات کو دوسرے مہینوں پر ملتوی رکھتے ہیں کہ رمضان میں کریں گے۔ یاد رکھو کہ شارع کا یہ مطلب ہرگز نہیں ایک تو یہ غلطی تھی۔

دوسری غلطی

ایک دوسری غلطی پر اور متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں نے رمضان کے فضائل میں سے بس یہی یاد کرلیا ہے کہ اس میں حسنات کا تضاعف ہوتا ہے اور یہ نہیں یاد رکھا کہ گناہ کا بھی تضاعف (۱) ہوتا ہے کیونکہ مبارک مکان ومبارک زمان میں جس طرح نیکی بڑھتی ہے گناہ بھی بڑھتا ہے جیسا کہ زنا کرنا ہر جگہ برا ہے مگر مسجد میں کرنا بہت برا ہے اسی طرح رمضان کا گناہ اور دنوں کے گناہ سے سخت ہوگا، پس رمضان میں جبکہ طاعات وحسنات کا اہتمام ضروری ہے ایسا ہی سیئات سے اجتناب (۲) بھی سخت ضروری ہے۔

گناہوں سے اجتناب کی ضرورت واہمیت

مگر یار لوگوں نے گناہوں میں بھی وہی خانہ ساز حساب لگایا ہے جو حسنات میں لگایا تھا یعنی اللہ تعالیٰ سے ضابطہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ علماء سے پوچھتے ہیں کہ یہ کام کرنا کیسا ہے وہ بتلاتے ہیں کہ گناہ ہے تو اس کے بعد سوال ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا ہی سا گناہ ہے یا بڑا گناہ ہے میں ایسے نامعقولوں کو یہ جواب دیتا ہوں کہ کیوں صاحب اگر چھوٹا گناہ ہوا تو آپ کا ارادہ کرنے کا ہے اگر کہے ہاں تو میں کہتا ہوں کہ پھر مجھے بھی اجازت دو کہ تمہارے گھر کے چھپر میں ایک چھوٹی سی چنگاری رکھ دوں اور اگر کوئی ایسا کرے اور یہ کہے کہ یہ تو ذرا سی چنگاری ہے اس کا کیا حرج ہے تو تم گوارا کرلوگے اس کا جواب سب یہی دیتے ہیں کہ نہیں کیونکہ ذرا سی چنگاری کا بڑھ جانا کیا مشکل ہے، خدا بری گھڑی نہ لائے تو حضرت ایسی ہی ہر چیز کا بڑھ جانا کیا مشکل ہے خصوصاً گناہ کا۔

تیر بے کمان

اور ایک گناہ تو ایسا ہے جس کا بڑھنا بڑے ہی غضب کا ہے اور اسی سے لوگ

(۱) گناہوں میں بھی زیادتی (۲) گناہوں سے بچنے کا اہتمام۔

بہت بے فکر ہیں یعنی نگاہ بد۔ کانپور میں ایک صاحب بوڑھے ثقہ پابند صوم وصلوٰۃ تہجد گزار تھے مگر اس مرض بدنظری کی بدولت ایک یہودن کے عشق میں گرفتار تھے اور یہ حال ہوا کہ ایک دن میرے سامنے رونے لگے اور کہا کہ اس عشق نے تو میرا ایمان بھی برباد کردیا نہ میرا اسلام کچھ رہا نہ ایمان، بس اگر وہ یہودن ہے تو میں یہودی ہوں اور وہ مسلمان ہے تو میں مسلمان ہوں، میں نے کہا توبہ کرو توبہ یہ کیا بکتے ہو مگر وہ ایسے بیخود تھے کہ باوجود میرا ادب کرنے کے میرے سامنے بھی ایسے کلمات کفر کہہ گئے، حضرت یہ نظر بد سخت خطرناک ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''النظر سهم من سهام ابليس'' کہ یہ شیطان کا تیر ہے اور ایک شاعر کہتا ہے:

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ بجیرتم چہ عجب تیر بے کماں زدہ(۱)

واقعی یہ تیر بے کمان ہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے رمضان میں تمام گناہوں سے عموماً اور نظر بد سے خصوصاً نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا چاہیے۔ یہ مضمون صرف استطراداً بیان ہوگیا کیونکہ اس وقت جو آیت میں نے پڑھی ہے اور اس سے جو مضمون بیان کرنے کا ارادہ ہے اس کو رمضان سے صرف اسی وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آیت میں انفاق (۲) کا ذکر ہے اور رمضان میں انفاق کی فضیلت وارد ہے بلکہ زیادہ تعلق دوسری وجہ سے ہے مگر استطراداً کچھ مضمون انفاق بھی بیان کردیا گیا کیونکہ آیت میں تو انفاق کا بھی ذکر ہے گو مجھ کو مقصود بالذات دوسرا مضمون ہے۔

پختگی نفس رضائے الٰہی ہے

اب میں اصل مقصود کو شروع کرنا چاہتا ہوں جس کے لیے اول ترجمہ آیت کا سننا ضروری ہے تاکہ ترجمہ نہ جاننے والوں کو بھی ربط کا عجیب ہونا معلوم ہوجائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں (تاکہ آیندہ انفاق بھی اور

(۱) ''تو نے میرے سینہ میں بے نشان زخم مارا ہے حیرت ہے کہ کیا عجیب تیر کمان مارا ہے'' (۲) صدقہ کرنے کا ذکر ہے۔

دوسرے اعمال صالحہ بھی سہولت سے صادر ہوا کریں) ان لوگوں کے صدقات ونفقات کی حالت مثل ایک باغ کی حالت کے ہے جو بلند زمین پر ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ زمین تو نشیب کی اچھی ہوتی ہے جس میں پانی ٹھہرے بلند زمین میں پانی کیونکر ٹھہریگا۔ جواب یہ ہے کہ زمین بلند سے یہ کیونکر سمجھ لیا گیا کہ وہ گنبد ہے بلکہ بلند بھی ہے اور مسطح بھی ہے کیونکہ بلندی پر ہوا لطیف ہوتی ہے اس کے بعد ارشاد ہے: اَصَابَهَا وَابِلٌ اس کو موسلا دھار بارش نصیب ہوگئی تو وہ اپنا پھل دو چند لایا یا چار چند(۱)۔ دو باتیں اس لیے کہیں کہ ضعف کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ضعف کہتے ہیں مجموعہ مثلین کو تو ضعفین تثنیہ ہے اس کے معنی چار مثل یعنی چار چند کے ہوگئے اور بعض نے کہا ہے کہ ان مثلین میں سے ہر مثل کو ضعف کہتے ہیں ان کے نزدیک ضعفین کا ترجمہ دو چند ہوگا جیسے زوج کبھی ہر فرد کو کہتے ہیں جس کا تثنیہ زوجین بمعنی ضعفین آتا ہے اور کبھی مجموعہ فردین کو کہتے ہیں جیسے دو کے عدد کو زوج کہتے ہیں بمعنی مجموعہ عددین آگے فرماتے ہیں: ''فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ'' اور اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو پھوار بھی کافی ہے ای فطل یکفیه طل (۲) یا تو طل مبتدا ہے خبر محذوف ہے یا فاعل ہے جس کا فعل مقدر ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا جو ممنوع ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ مفید نہیں ہوتا اور اگر مفید ہو تو مبتدا ہونا جائز ہے اور یہاں مفید ہے وجہ افادہ کی یہ ہے کہ یہ صورۃ نکرہ ہے اور معنی نکرہ موصوفہ ہے کیونکہ طل سے مراد مطلق طل نہیں بلکہ وہ طل ہے جو اس باغ سے لگے اس کو پہنچے اس کے بعد ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ'' (اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں) اس کا ربط آیت کے اجزاء کی تحلیل سے معلوم ہوگا بدون اس کے معلوم نہ ہوگا اور تحلیل اجزاء میں طول ہے اس لیے اس کو ترک کرتا ہوں اگر موقع ہوا تو اخیر میں اس پر بھی تنبیہ کردوں گا، خدا کرے یاد رہے اب میں اپنا مقصود جو اس آیت سے مجھے استنباط کرنا ہے بیان کرتا ہوں اور وہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو میں اپنے احباب سے اکثر خاص خطاب سے عرض کیا کرتا ہوں اور آج عام خطاب سے سب کے سامنے عرض کرتا ہوں پس مسئلہ تو جدید نہیں مگر شاید تقریر میں کچھ جدت آجائے اور

(۱) دوگنا یا چارگنا (۲) اس کے لیے پھوار ہی کافی ہے۔

قدیم بھی ہو تو ہر قدیم فرسودہ نہیں ہوتا آسمان کتنا پرانا ہے مگر حالت یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔(۱)

شمس وقمر کتنے پرانے ہیں مگر دیکھو ویسے ہی آب وتاب کے ساتھ اب تک موجود ہیں اور بعضے پرانے بڈھے نئے بڈھوں سے اچھے ہیں بہرحال مضمون کا جدید ہونا کچھ ضرور نہیں مگر آج کل لوگوں کو جدت کا ہیضہ ہے ہیضہ مردوں کو بھی ہوتا ہے گو حیض عورتوں ہی کو ہوتا ہے مگر ہیضہ اور حیض قریب ہی قریب ہے تجوید وقرأت سے کون بولتا ہے عام تکلم وتلفظ میں تو حیض وہیضہ برابر ہے قرأت پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک قاری صاحب نے اپنے شاگردوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ہر بات قرأت سے کیا کرو تو ایک دفعہ حقہ پیتے ہوئے قاری صاحب کے عمامہ پر چنگاری گر پڑی، شاگرد نے قاری صاحب کے سامنے کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر اعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم قرأت کے ساتھ پڑھ کر نہایت ترتیل سے کہا جناب قاری جناب قاری صاحب آپ کے عمامہ شریف پر آگ کی ایک چنگاری گر پڑی ہے اور ہر جگہ خوب مد کھینچا اتنی دیر میں عمامہ کئی انگل جل گیا۔

راحت کی جگہ عالم آخرت ہے

وہ مسئلہ یہ ہے کہ آج کل بعض سالکین کو سہولت کی بہت تلاش ہے جس کی وجہ صرف راحت طلبی ہے جیسے ایک طبیب ماہر کہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی ہوتی کہ سارا کھانا ایک دم سے پیٹ میں اتر جایا کرے، لقمہ لقمہ نہ کھانا پڑے تاکہ تداخل طعام نہ ہو، خیر اس شخص کی اس رائے کی بنا تو ایک مصلحت بھی ہے لیکن آج کل تو ایسا ممکن بھی ہوتا تو اس کی بنا راحت طلبی ہی ہوتی۔ افسوس آج کل سالکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے خود بخود سارا کام ایک دن میں ہوجائے یہ سخت غلطی ہے۔

(۱) ''کہ ذرا دیکھو تو آسمان کہیں سے کچھ پھٹا ہوا نظر آتا ہے پھر بار بار دیکھو تو نگاہ تھک کر لوٹ آئے گی (اور کوئی شقاق یا فطور نظر نہ آئے گے)'' سورۃ الملک ۳۔۴۔

صاحبو! راحت کی جگہ تو عالم آخرت ہے اور وہاں بھی جو راحت حاصل ہوگی وہ بھی دنیا کی جہد کا ثمرہ ہے(۱)

چند روزے جہد کن باقی بخند (۲)

بدون مشقت ومجاہدات کے راحت نصیب نہیں ہوسکتی ہاں اگر حق تعالیٰ خود ہی دنیا میں راحت دیدیں تو اور بات ہے تم کو طلب راحت کا کیا حق ہے تمہارا مذاق تو یہ ہونا چاہیے:

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۳)

مولانا ایسے ہی لوگوں کی بابت فرماتے ہیں:

پس زبون وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا(۴)

اور فرماتے ہیں:

تو بیک زخمی گریزانی زعشق تو بجز نامی چہ می دانی زعشق(۵)

بلا مجاہدہ طلب کی مثال

پس آج کل سالکین کی محبت وطلب کی یہ حالت ہے جیسے ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کہا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے کھینچ کسی ظریف نے سن لیا اس نے اس کے ساتھ دل لگی کی کہ اگلے دن اندھیرے سے اس درخت پر ایک رسی ساتھ لے کر جا بیٹھا، جب رات کو وہ شخص آیا اور وہی دعا شروع کی کہ اے اللہ مجھے کھینچ لے تو اس ظریف نے دبی زبان سے کہا کہ اے میرے بندے آج میں تجھے کھینچتا ہوں یہ رسی اپنے گلے میں ڈال لے وہ بڑا خوش ہوا کہ اب مجھے معراج ہوگی، رسی کا پھندا فوراً گلے میں ڈال لیا اور ظریف نے کھینچنا شروع کیا جب ایک بالشت زمین سے اٹھا اور پھندے سے گلا گھٹنے لگا تو فوراً کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے چھوڑ میں نہیں کھینچتا اس نے رسی چھوڑ دی

(۱) دنیاوی مجاہدات کا پھل ہے (۲) ''چند روز محنت کر بقیہ ایام راحت سے بسر کر'' (۳) ''زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں، دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں'' (۴) ''تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب وبلا میں فرق سمجھو گے'' (۵) ''تو ایک ہی زخم سے عشق سے گریز کرتا ہے تو سوائے نام کے عشق کے اس کی حقیقت سے ناواقف ہے''۔

اوراس نے فوراً پھندا گلے سے نکال کر اپنے گھر کا رستہ لیا پھر ساری عمر اس درخت کے نیچے جانے کا نام نہیں لیا، بس یہی حالت آج کل کے طالبوں کی ہے کہ جب تک تکلیف نہ ہو حتی کے عمل میں بھی کچھ مشقت نہ ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت وعشق کا دعویٰ ہے اور جہاں کچھ تکلیف یا مشقت ہوئی سارا عشق رخصت ہوا حالانکہ ان کو تو جان دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے ہمارے حاجی صاحب کا شعر ہے:

متاع جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے الی اٰخرہ

طالب سہولت کا جواب

مگر اب سالک سالک نہیں ہونا چاہتے بلکہ مالک ہونا چاہتے ہیں اسی لیے سہولت کے طالب ہیں چنانچہ میرے پاس کثرت سے خطوط میں یہ فرمائش آتی ہے کہ کوئی سہل سا طریقہ آسان سا عمل کوئی سہل سا نسخہ بتلادیجئے ایسی درخواست کا جواب ایک بزرگ نے خوب دیا ان سے ایک پنشن یافتہ ڈپٹی کلکٹر نے یہی درخواست کی تھی کہ کوئی سہل سا طریق بتلادیجئے جس سے بہت جلدی کامیابی ہوجائے، بزرگ نے بھی ابھی اس کا جواب نہیں دیا بلکہ باتوں میں لگایا اور باتوں باتوں میں ان سے دریافت کیا کہ ڈپٹی صاحب ذرا اپنی سوانح عمری تو بیان فرمایئے کہ آپ نے کیا کیا پڑھا اور کس طرح ڈپٹی کلکٹر ہوئے، انہوں نے اپنی سرگذشت بیان کی کہ بارہ سال تک انگریزی پڑھی، بے اے کا امتحان دیا، پھر قانون کا امتحان دیا پھر سال بھر تک ملازمت کے لیے سفارشیں حاصل کیں، درخواستیں دیں تو نائب تحصیلدار ہوا پھر کئی سال کے بعد تحصیل دار ہوا پھر کئی سال کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہوا اور سالہا سال کی ملازمت کے بعد اب پنشن ملی ہے جب یہ اپنی سرگزشت بیان کر چکے تو بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو شرم تو نہیں آتی کہ دنیا مردار کے لیے تو اتنی عمر برباد کی اور مشقتیں برداشت کیں اور طلب خدا کے لیے یہ درخواست ہے کہ تھوڑی سی مدت میں کامیابی ہوجائے۔ ڈپٹی صاحب کم از کم طلب خدا کے لیے اس سے دگنی مدت تو صرف کرو کیونکہ آخرت دنیا سے افضل ہے۔ (تو افضل کے لیے مفضول سے دگنی مدت تو چاہیے ورنہ مساوی تو ضرور چاہیے) واقعی عقل کا مقتضی تو

یہی ہے جوان بزرگ نے فرمایا، اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو لوگ طلب خدا میں سہولت کے طالب ہیں وہ کیسی سخت غلطی میں مبتلا ہیں ہم کو تو وہ کام کرنا چاہیے جس کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ وصول وحصول کا تقاضا نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہماری برائے نام کوشش پر وصول وحصول کا مرتب ہوجانا خود خلاف قاعدہ ہے تو اس برائے نام کوشش پر حصول ثمرات کا اپنے کو مستحق سمجھنا اور عدم حصول پر شکایت کرنا سخت ناانصافی ہے۔

تحصیل عمل بالاختیار

وہ کام کیا ہے جس کا ہم کو حکم ہوا ہے وہ تحصیل عمل بالاختیار ہے(۱) کہ اپنے اختیار کو صرف کرکے بجالائیں اور اسی استعمال اختیار کا دوسرا لقب امانت ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔ (۲) کہ ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین وجبال (۳) پر پیش کی کہ اس کا تحمل کرتے ہو تو سب نے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا اس امانت سے مراد کیا ہے۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ اس سے تکلیف تشریعی (۴) مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل عمل بالاختیار (۵) ہے کیونکہ مطلق عبادت واطاعت سے تو کوئی شئے خالی نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (۶) کہ ہم نے زمین وآسمان سے کہا کہ ہمارے احکام (تکوینیہ) کے لیے تیار ہوجاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے سب نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے تیار ہیں اور لفظ طائعین سے صاف رد ہورہا ہے ان لوگوں کا جو سموات وارض وجمادات کی عبادت کو حالیہ یا قسریہ (۷) کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کیا قسر وحال میں طوع (۸) بھی ہوا کرتا ہے ہرگز نہیں بہرحال عابد ومطیع تو تمام مخلوقات (۹) ہیں لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے اس سے معلوم ہوا کہ تکلیف

(۱) وہ اپنے اختیار سے عمل کرنا ہے (۲) سورۃ الاحزاب: ۷۲ (۳) پہاڑ (۴) شرعی احکام کی پابندی مراد ہے (۵) اپنے اختیار سے شرعی احکام کی پابندی کریں (۶) سورح حٰمٓ سجدہ: ۱۱ (۷) یہ ان کا حال ہے یا غیر اختیاری عبادت (۸) کیا جبر وحال میں رضامندی بھی پائی جاتی ہے ہرگز نہیں (۹) اللہ کی عبادت اور اطاعت تو ساری مخلوق کررہی ہے۔

واطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے یہ فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلف بالاختیار کون ہوتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جاوے گی یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل وعدم عمل دونوں پر قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے اس کو مقرب بنالیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کرے گا اس کو مطرود(۱) کردیا جائے گا اس سے سموات وارض وجبال(۲) اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اس کے لیے آمادہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلف بنادیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کردی گئی باقی مخلوقات میں یہ صفت اختیار اور عقل نہیں ہے (وہ جن احکام تکوینیہ کو یا عبادت کو بجالاتے ہیں وہ ان کے لیے طبعی ہیں یعنی ان کی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلف ہے(۳) وہ اس کے لیے طبعی نہیں بلکہ اس کی قوت ارادیہ عمل وعدم عمل(۴) دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے اب اس کی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو مامورات اور جانب عدم عمل کو منہیات(۵) میں اسی کا نام تحصیل عمل ہے۔

غیر انسان میں عقل کا وجود

اور اس سے یہ لازم نہیں کہ غیر انسان عاقل نہ ہو ممکن ہے کہ دوسری مخلوقات بھی عاقل ہوں مگر عاقل کامل نہیں یعنی ان کو عقل کا وہ درجہ حاصل نہیں جو تکلیف احکام کے لیے کافی ہو۔ آخر صبی مراہق(۶) بھی تو عاقل ہے مگر باوجود عقل کے مکلف(۷) نہیں کیونکہ اس کی عقل کامل نہیں جو تکلیف کے لیے کافی ہو اور چونکہ اس پر کوئی شرعی

(۰) اسکو رد کردیا جائے (۲) آسمان زمین پہاڑ (۳) جن احکام کا اس کو پابند کیا گیا (۴) اس کا ارادہ کرنے نہ کرنے دونوں کی طرف ہوتا ہے (۵) جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے انہیں کرے جن سے منع کیا گیا ان سے رک جائے (۶) قریب بلوغ بچہ بھی تو عقل مند ہوتا ہے (۷) پابند احکام نہیں۔

اشکال لازم نہیں آتا اس لیے میں اس کا قائل ہوں کہ تمام مخلوقات حیوانات ونباتات حتی کہ جمادات بھی عاقل ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ انسان کے سوا سب غیر عاقل ہیں ہاں یہ مسلم ہے کہ ان میں اتنی عقل نہیں جو تکلیف کے لیے کافی ہو پس وہ مثل مراہق کے عاقل ہوسکتے ہیں (۱) اس کی کسی نص سے نفی نہیں ہوتی (۲) بلکہ تائید ہوتی ہے آخر ہدہد کی گفتگو حضرت سلیمان کے ساتھ جو قرآن میں مذکور ہے کیا یہ سب طبعی کلام ہے ہرگز نہیں بلکہ عاقلانہ کلام ہے اور اگر اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کے لیے بعض حیوانات کو عقل دیدی تھی۔

حضرت تھانویؒ کا طوطا

تو میں کہوں گا کہ اب بھی بعض حیوانات کی حرکات ایسی ہوتی ہیں کہ خالی عقل کہنا دشوار ہے چنانچہ جس کی حکایت میں اب بیان کرتا ہوں وہ مرحوم مرگیا یعنی ہمارے گھر میں ایک طوطا تھا، اس نے ایک دن بیبیوں کو پان کھاتے دیکھ کر خود بھی پنجرہ سے نکل کر اس ترتیب سے پان کھالیا کہ اول تو پان کا ذرا سا ٹکڑا منہ میں رکھا پھر چونہ کی ڈبیہ میں سے چونچ پر ذرا سا چونا لیا پھر کتھ کی ڈبیہ میں سے کتھ لیا اور دودانہ چھالیہ کے اٹھائے اور سب کو ملا کر کھا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ وہاں ہی تمباکو کی ڈبیہ تھی مگر تمباکو نہیں کھایا سب کو اس حرکت پر حیرت ہوگئی کہ اس نے کیونکر باقاعدہ سارا کام کیا اور جب حیوانات میں بھی ایک درجہ عقل کا ہوسکتا ہے اور اس کے بعد بھی وہ مکلف نہیں۔

مجاذیب کا حال

تو یہاں سے سمجھ لو کہ اگر مجاذیب میں بھی ایک درجہ عقل کا ہو تو کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے اور یہ نہ کہنا چاہیے کہ ان کو تو کھانے پینے کا پورا ہوش ہے پھر یہ مجذوب کدھر سے ہوئے اسی لیے شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ مجاذیب پر اعتراض نہ کرو گو ظاہر میں وہ صحیح الحواس (۳) معلوم ہوں کیونکہ صحت حواس تو بہائم میں بھی ہے جانور بھی اپنے نفع ونقصان کو سمجھتا ہے مگر

(۱) ان کی عقل قریب البلوغ بچے کی سی ہے (۲) قرآن وحدیث کی نفی نہیں ہے (۳) اگرچہ ان کے حواس درست معلوم کریں۔

اتنے ادراک سے وہ مکلف نہیں ہوا تو مجذوب بھی باوجود عقل قلیل کے غیر مکلف ہوسکتا ہے جس کی مثال واضح وہی ہے، صبی مراھق (۱) کی مگر اس کے لیے ایک معیار بھی ہے کہیں تم کافروں کو بھی مجذوب نہ کہنے لگو وہ معیار یہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

جملہ دانا یاں ہمیں گفتہ ہمیں ہست داناں رحمۃ للعالمین (۲)

یہ دوسرا مصرعہ جملہ معترضہ ہے جو بطور مدح کے درمیان میں لایا گیا ہے کہ واقعی محقق بھی عالم کے لیے سراپا رحمت ہے یہ گفت کا مقولہ نہیں اس کا مقولہ اگلے شعر میں ہے:

گر انارے می خرمی خنداں بخر کہ دہد خندہ اش زدانہ اوخبر (۳)

نامبارک خندہ آن لالہ بود کہ زخنداں او سواد دل نمود

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کرو اور اس سے فیض لینا چاہو تو پہلے علامات وآثار کو دیکھ کر اسے جانچ لو اور اگر وہ سالک ہو تو آثار سلوک کو دیکھو اور اگر مجذوب ہو تو یہ دیکھو کہ اس زمانہ کے صلحاء اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں، اگر وہ اس کو مجذوب کہیں اچھا سمجھیں تو وہ اچھا ہے گو نماز روزہ کا پابند نہ ہو، اگر صلحاء زمانہ اس کو مجذوب نہ سمجھیں اور ظاہری حالت اس کی خلاف شرع ہو تو اس کے پاس نہ جاؤ تو امانت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے فرمایا کہ یہ صفت اختیار ہے اور یہ عقل ہے ان کو کون لیتا ہے جو ان کو لے گا وہ مکلف احکام بنایا جائے گا اس سے سب ڈر گئے اور انسان تیار ہوگیا، پس مکلف بجز انسان وجنات کے کوئی نہیں۔

چاند سورج کے جہنم میں جانے کی وجہ

اور شمس وقمر واحجار جو جہنم میں جائیں گے تو معذب (۴) ہوکر نہ جائیں گے کہ تکلیف کا شبہ ہو بلکہ آلہ تعذیب ہوکر جائیں گے تاکہ کفار کو ان کو دیکھ کر حسرت ہو کہ افسوس ہم نے کن چیزوں کو معبود بنایا تھا جو ہماری تو کیا اپنی بھی امداد نہیں کرسکتے اور گو عدم امداد

(۱) ایسا بچہ جو بالغ ہونے والا ہو (۲) ''سب عقلمندوں نے یہی کہا ہے اور سب سے بڑھ کر دانا رحمۃ للعالمین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم'' (۳) ''کہ اگر انار خریدو تو کھلا ہوا خریدو کیونکہ کھلے ہوئے انار کا اندرونی حال ظاہر ہوجاتا ہے بند انار مت لو کہیں اندر سے کچا اور خراب نہ نکلے'' (۴) عذاب کے طور پر نہیں جائیں گے۔

کا علم غیبت میں بھی ہوسکتا تھا مگر اس صورت میں کفار کو یہ وسوسہ ہوتا کہ نامعلوم خدا تعالیٰ نے ہمارے معبودوں کو کہاں مقید کردیا جو ہماری امداد نہ کرسکے، اس لیے سب کو پاس پاس کردیں گے کہ لو یہ تمہارے معبود ہیں اگر ان میں کچھ طاقت ہے تو ان سے امداد طلب کرلو اس صورت میں ان کو حسرت زیادہ ہوگی۔

انسان نے تکلیف احکام کیوں برداشت کی

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ انسان کو کیا سوجھی تھی جو اس امانت کے لیے تیار ہوگیا کیا یہی سب سے بڑا تیس مار خان تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان میں عشق کا مادہ بہت زیادہ ہے اسی لیے میں ابتداء طالب علمی میں کہا کرتا تھا کہ انسان کی حقیقت حیوان عاشق ہے اس کی فصل عاشق ہے کیونکہ ناطق تو جنات وملائکہ بھی ہیں عاشق انسان کے سوکوائی نہیں (اور عشق ومحبت میں فرق ہے اس لیے محبت کا وجود ملائکہ وجنات میں بھی ہوسکتا ہے میں محبت کی ان سے نفی نہیں کرتا عشق کی نفی کرتا ہوں جس کے لیے جوش اور شوق اور ہیجان وولولہ لازم ہے ۱۲) غرض انسان میں عشق بہت زیادہ تھا اور اس وقت بھی تھا جبکہ اس کو عقل کامل بھی عطا نہ ہوئی تھی (کیونکہ عقل کامل تو بعد حمل امانت(۱) کے عطا ہوئی اور غلبہ عشق تو قلت عقل(۲) ہی میں زیادہ ہوتا ہے اسی لیے کیفیات باطنہ کا غلبہ قلیل العقل(۳) پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ غلبہ کیفیات کے لیے یکسوئی شرط ہے جو غیر عاقل کو زیادہ میسر ہوتی ہے اور عاقل کو تو سوئی کے برابر بھی یکسوئی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس کا دماغ برابر کام کرتا رہتا ہے اور یہ گفتگو قاعدہ کی بناء پر ہے ورنہ باب جذب الٰہی ہر شخص پر مفتوح ہوسکتا ہے وہ کسی قاعدہ سے مقید نہیں، بہرحال انسان کے حمل امانت کا منشاء عشق تھا(۴) اور اس کو میں نے عارف شیرازی کے کلام سے سمجھا ہے۔ فرماتے ہیں:

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند(۵)

(۱) امانت کا بوجھ اٹھانے کے بعد عقل کامل ملی (۲) عشق کا غلبہ کم عقل میں زیادہ ہوتا ہے (۳) باطنی کیفیات کم عقل پر زیادہ ہوتی ہیں (۴) انسان کے بار امانت کو اٹھانے کی وجہ اس کا جذبہ عشق تھا (۵) ''جس بار امانت کو آسمان نہ اٹھاسکا اس کا قرعہ فال مجھ دیوانہ کے نام نکلا''۔

اس میں لفظ دیوانہ سے منشاء حمل امانت پر اشارہ ہے (اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ عشق دیوانگی کا نام ہے جو محبت کے علاوہ درجہ ہے ۱۲) جب یہ معلوم ہوگیا کہ امانت اختیار وعقل کا نام ہے۔

سہولت کے طالب کا حال

تو جو لوگ تسہیل کے طالب ہیں وہ اس امانت اختیار کو برباد کرنا چاہتے ہیں کہ بس ہم کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کچھ نہ کرنا پڑے مفت سہولت سے کام ہوجایا کرے، کوئی ایسا حال غالب ہوجائے کہ گناہ خود بخود چھوٹ جائیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے، ایسا استغراق (۱) ہوجائے کہ نماز میں خود بخود دل لگنے لگے ہم کو احضار قلب (۲) کی ضرورت نہ ہو، گویا یہ شخص صفت اختیار کو معطل (۳) کرنا چاہتا ہے اور جو شخص امانت الٰہیہ کو اور ایسی بڑی نعمت کو ضائع کرے جس میں انسان تمام مخلوق سے ممتاز ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، بزرگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے تجلیات کی اس قدر عظمت کی ہے کہ ایک بزرگ نے کسی صوفی کے متعلق سنا کہ وہ کھانا کھاتے ہوئے لذیذ شوربے میں پانی کا پیالہ بھر کر ڈال دیتا ہے تاکہ نفس کو لذت نہ آئے، فرمایا طفل طریقت (۴) ہے یہ اس تجلی الٰہی کو برباد کرتا ہے جو لذیذ طعام کے ساتھ متعلق ہے اور اس حکمت کو برباد کرتا ہے جو لذائذ دنیا میں رکھی گئی ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ یہ نمونہ ہیں لذائذ آخرت کا مگر اس تجلی کا انکشاف اور اس حکمت کی معرفت محض نیت کرنے اور ''نویت ان اکل اللذیذ لیکون انموذجا للاخرۃ'' (۵) کہنے سے حاصل نہیں ہوتی کہیں آپ آج ہی سے نفس پرستی اور لذات میں انہماک شروع کردیں بلکہ اس کی معرفت بہت سی منزلیں طے کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

صوفی نشود صافی تا درنہ کشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی (۶)

---

(۱) بے خودی طاری ہو (۲) دل کو حاضر کرنے کی ضرورت نہ ہو (۳) بے کار (۴) راہ طریقت کا بچہ ہے (۵) میں نے اس نیت سے لذیذ چیزوں کو کھانا شروع کردیا تاکہ آخرت کا نمونہ ہوجائیں (۶) ''صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے، پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے''۔

احوال سالک کی حقیقت

اس لیے بسیار سفر کی ضرورت ہے اور بسیار سفر کو تو آپ کیا سمجھیں گے میں اس وقت دو سفر بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ سالک کا ایک سفر تو الی الاحوال (۱) ہے کہ اس پر حالات طاری ہوتے ہیں ایک دوسرا سفر من الاحوال ہے (۲) جس میں وہ سب احوال سلب ہوجاتے ہیں پھر اس کے بعد دوسرے نوع کے احوال عطا ہوتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے باغ میں درختوں پر دو قسم کے پھول آتے ہیں ایک چھوٹا پھول ہوتا ہے وہ چند روز کے بعد جھڑ جاتا ہے اس وقت ناواقف روتا ہے کہ ہائے میرا باغ برباد ہوگیا مگر محقق خوش ہے کہ الحمدللہ سفر اول ختم ہوکر سفر ثانی شروع ہوا (اول عروج ہے دوسرا نزول ہے ۱۲ ظ) پھر سچا پھول آتا ہے وہ باقی رہتا ہے اب اس پر پھل لگنے شروع ہوتے ہیں یا جیسے صبح دو ہوتی ہیں کاذب جس کا نور جلدی ہی زائل ہوجاتا ہے دوسری صادق جس کا نور بڑھتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

اے شدہ تو صبح کاذب رار ہیں صبح صادق راز کاذب ہم ببیں

مولانا نے سفر اول کاذب سے تشبیہ دی اور سفر ثانی کو صبح صادق سے (۳) کہ جیسے اول صبح کاذب کی روشنی آتی ہے جس کی روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح سالک پر دو حالتیں گزرتی ہیں ایک میں احوال ناقصہ عطا ہوتے ہیں اور دوسری منزل میں احوال ناقصہ سلب ہوکر احوال کاملہ عطا ہوتے ہیں۔ اب یہ شخص پختہ ہوگیا اس کو حق ہے کہ لذائذ بھی کھائے اور عمدہ لباس بھی پہنے کیونکہ اب یہ ہر شئے میں تجلی حق کا مشاہدہ کرتا اور اس کا حق ادا کرتا ہے۔ صوفی خام کو حق نہیں کہ مرغ مسلم کھایا کرے لیکن اگر بلا تکلف مل جائے تو انکار بھی نہ کرے کھالے بشرطیکہ حلال ہو اور حلال بھی خالص ہونا ضرور نہیں بلکہ نخالص بھی کافی ہے یعنی جو فتویٰ سے حلال ہو بس وہ حلال ہے۔

---

(۱) ایک سفر تو احوال کی طرف ہے اس پر حال طاری ہو (۲) دوسرا سفر احوال سے ہے جس میں سارے احوال ختم ہوجاتے ہیں (۳) صبح کاذب میں اول روشنی ظاہر ہوتی ہے پھر غائب ہوجاتی ہے اسی لیے اسکو کاذب کہتے ہیں صبح صادق میں روشنی ظاہر ہونے کے بعد بڑھتی جاتی حتی کہ سورج نکل آتا ہے اس لیے اس کو صادق کہتے ہیں۔

حلال کی جستجو میں غلو سے احتیاط

زیادہ کاوش اور تقویٰ بھگارنے کی ضرورت نہیں جیسے ایک شخص کی ہمارے قصبہ کے پولیس افسر نے دعوت کی تھی آپ نے دعوت قبول کر کے عین وقت پر کھود کرید شروع کی کہ یہ دودھ کہاں سے آیا، گوشت کس طرح آیا، غلہ کیسے داموں سے آیا، تنخواہ کے روپیہ سے یا رشوت سے، غرض بھرے مجمع میں داعی کو ذلیل کیا، یہ تقویٰ کا ہیضہ ہے اگر کسی شخص پر اطمینان نہ ہو تو یا تو اس کی دعوت ہی منظور نہ کرے، لطیف پیرایہ سے عذر کردے یہ نہ کہے کہ آپ کی آمدنی حرام ہے اس لیے دعوت قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اس عنوان سے اس کی دل شکنی ہوگی، باقی امر بالمعروف کے لیے اور بھی بہت وقت ہے اسی طرح امر بالمعروف ضروری نہیں کیونکہ امر بالمعروف میں یہ بھی شرط ہے کہ ایسا وقت اور موقع تجویز کرے جس میں مخاطب کے قبول کی امید ہو پس یا تو عذر کردے یا یہ کردے جیسا میں نے ایک تھانیدار سے معاملہ کیا، انہوں نے میری دعوت کی، میں نے مجمع کے سامنے تو بلاشرط قبول کرلی پھر تنہائی میں لیجا کر ان سے کہہ دیا کہ ذرا کھانے میں اس کی رعایت رکھی جائے کہ تمام سامان تنخواہ کی رقم سے کیا جائے وہ کہنے لگے صاحب بھلا یہ کب ہوسکتا ہے کہ آپ کو بھی ناپاک مال کھلاؤں۔ اس طرح اپنا بھی بچاؤ ہوگیا اور داعی کی دل شکنی بھی نہ ہوئی۔ غرض یہ کہ جو مال فتویٰ سے حلال ہو اس میں تامل نہ کرو مولانا فضل الرحمن خان صاحب گنج مرادآبادی کے ایک خلیفہ تھے جو حاضر خدمت رہتے تھے، ایک بار مولانا کے یہاں کہیں سے کھانا آیا، حضرت نے ان کے پاس بھیج دیا وہ کہنے لگے کہ آپ نے کچھ تفتیش بھی کرلیا ہے کہ حلال ہے یا حرام تو مولانا نے فرمایا ارے کھالے بڑا حلال کھانے والا آیا، زیادہ تحقیق کرے گا تو بھوکوں مرجائے گا۔ مولانا کا مطلب بھی یہی تھا کہ جو مال فتویٰ سے حلال ہو وہی کافی ہے گو اہل ورع (۱) کے نزدیک حلال نہ ہو۔ میں کہہ رہا تھا کہ اہل اللہ کو تو عطاء حق کی اتنی قدر ہے کہ ان بزرگ نے شوربہ میں پانی ملانے والے صوفی کو طفل طریقت فرمایا کہ تجلی الٰہی کو برباد کرتا ہے اور وہ

(۱) متقیوں کے نزدیک۔

تجلی مذکر ہے نعماء آخرت کی (۱) اور اس کو فقہاء نے بھی سمجھا ہے میں ان کو بھی حکماء اُمت سمجھتا ہوں جیسا کہ صوفیاء کو سمجھتا ہوں اور حیرت ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں بڑا جھگڑا ہے مگر یہ جھگڑا غیر محققین میں ہے محقق دونوں کا جامع ہوتا ہے تو ہدایہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چار انگشت تک ریشم مردوں کو بھی جائز ہے وہاں ایک دلیل تو نقلی لکھی ہے اور ایک دلیل عقلی لکھی ہے۔ ''لتکون انموذ جالحریر الجنة'' یعنی تھوڑا سا ریشم مردوں کے لیے اس واسطے جائز کر دیا گیا تا کہ حریر جنت کا نمونہ سامنے ہو جائے پھر یہ حکمت دیگر لذائذ ونعم کو بھی عام ہے اس لیے اس کے ابطال کو محقق نے ناپسند کیا اور مبطل کو طفل (۲) طریقت کہا اسی طرح جو شخص سہولت کا طالب ہے وہ امانت الٰہیہ اختیار کو باطل کر رہا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے اہل اللہ نے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

غوث اعظم کی راہنمائی

چنانچہ ایک بار حضرت غوث اعظم وعظ فرما رہے تھے کہ درمیان میں دفعۃً ساکت ہو گئے (۳) اور کچھ دیر تک ساکت رہ کر پھر بیان شروع فرمایا اور کہا کہ اس وقت میرے سکوت (۴) کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک بزرگ ابھی شام سے بغداد ایک قدم میں بطور کرامت کے آئے تھے، میں نے ان کو متنبہ کیا ہے کہ اس تصرف میں حکمت عطائے قدم کا ابطال ہے (۵) اللہ تعالیٰ نے قدم اس لیے دیئے ہیں تا کہ ان سے مشی کا (۶) کام لیا جائے جب بطور کرامت کے راستہ طے کیا جائے گا تو اس میں یہ حکمت باطل ہوگی وہ بزرگ اس سے توبہ کر کے واپس ہو گئے (مطلب یہ ہے کہ از خود ایسا تصرف نہ کرنا چاہیے اور اگر بلاقصد کے کبھی حق تعالیٰ طویل راستہ کو قصیر کر دیں (۷) تو وہ کرامت غیر اختیاریہ ہے جو نعمت ہے۔

نیز طے طریق کی دعا کا بھی مضائقہ نہیں جیسا حدیث میں ہے: ''اللھم اطو عنا البعد'' (۸) (صرف تصرف بالقصد کی ممانعت ہے ۱۲)

(۱) وہ تجلی آخرت کی نعمتیں یاد دلانے کا باعث ہے (۲) باطل کرنے والے کو راہ طریقت کا بچہ قرار دیا (۳) اچانک چپ ہو گئے (۴) خاموشی کی وجہ سے یہ تھی (۵) انسان کو قدم جس حکمت کے لیے دئے گئے اس کو باطل کرنا ہے (۶) چلنے کا کام (۷) لمبے راستہ کو چھوٹا کر دیں (۸) لم اجد الحدیث بھذا اللفظ فی موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف۔

اظہار کرامت اور اس سے توبہ

اسی طرح ایک بار ہمارے حضرت حاجی صاحب کے یہاں بے وقت بہت سے مہمان آ گئے، گھر والوں کو فکر ہوئی تو حضرت نے اپنا رومال گھر میں بھیج دیا کہ اس کو آٹے پر ڈھک دو اور پکانا شروع کرو، ان شاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایسی برکت ہوئی کہ سب مہمانوں نے فراغت سے کھانا کھالیا اور بہت بچ رہا۔ اس کی اطلاع حضرت حافظ محمد ضامن صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کو ہوئی تو آپ حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کرامت مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا تصرف عطا فرمایا، بس آپ کا رومال سلامت رہے پھر دنیا میں قحط تو کیوں آئے گا اور قحط میں جو حکمتیں ہیں وہ باقی رہیں گی۔ حضرت حاجی صاحب کو تنبہ ہوا اور فرمایا حافظ صاحب میں اس سے توبہ کرتا ہوں، ان شاء اللہ پھر کبھی ایسا نہ ہوگا تو حضرت جب اہل اللہ نے حق تعالیٰ کی ذرا ذرا سی تجلیات کی اس قدر عظمت کی ہے اور ان کی حکمتوں کے ابطال کو ممنوع قرار دیا ہے تو بتلایئے اتنی بڑی امانت کا ابطال جس پر تکلیف کا مدار ہے کیونکہ ممنوع نہ ہوگا۔

طالبین سہولت کو تنبیہ

اب میں ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہوں جو طریق میں سہولت کے طالب ہیں کہ وہ اس بے ادبی سے توبہ کریں جس کا بے ادبی ہونا بھی شاید ان کو اب تک معلوم نہ ہوا ہوگا بلکہ وہ اب تک اس طلب سہولت کو دینداری سمجھتے ہوں گے مگر وہ کان کھول کر سن لیں کہ اس طلب میں وہ امانت الٰہیہ کا ابطال کر رہے ہیں۔ پس سہل یہ ہے کہ وہ بجائے تسہیل کے اسہال[1] لے لیں جس سے ضعف ہوجائے گا تو پھر یہ معذور ہوجائیں گے اس وقت مولانا ان کے لیے عذر کا فتویٰ دیدیں گے پھر وضو کی جگہ تیمم ہوجائے گا اور زیادہ ضعف ہوا تو بجائے قیام کے قعود[2] رہ جائے گا اور اس سے بھی زیادہ ضعف ہوا تو

(۱) سہولت کے طالب ہونے کے بجائے دستوں کی دواء استعمال کرلیں جس سے کمزوری ہوجائیگی
(۲) کھڑے ہونے پر قادر نہ رہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہوجائے گی۔

صوم وصلوٰۃ سب ساقط ہوجائیں گے جو کامل سہولت ہے اور جب تک معذور نہیں ہوئے اس وقت تک سہولت کی طلب کے کیا معنی جو کہ معذورین کے لیے خاص ہے بلکہ غور کیا جائے تو وہاں بھی ان کو سہولت مزعومہ نہیں ہے کیونکہ اس عذر کے سبب وہ سہل عمل بھی ان کو دشوار ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم تحصیل عمل کے مکلف ہو(۱) کہ اپنے اختیار کو صرف کرکے عمل کرو تم کو طلب تسہیل کا کوئی حق نہیں، ہاں صرف اتنا حق ہے کہ عمل تمہارے اختیار وقدرت سے خارج نہ ہو سو اس کا شریعت میں پورا لحاظ ہے کہ امور غیر اختیاریہ کا تم کو مکلف نہیں کیا(۲) بلکہ اختیارات کا مکلف بنایا ہے اب تم یہ چاہتے ہو کہ اختیارات میں ارادہ واختیار وقدرت کے استعمال کی بھی ضرورت نہ رہے اس کا تم کو کیا حق ہے بلکہ اس میں سراسر ابطال امانت اختیار ہے(۳) جس کا جرم ہونا اوپر واضح ہوگیا۔ پس تم کو تو طلب تسہیل کا کوئی حق نہیں ہاں اگر شریعت کسی جگہ خود تسہیل کا لحاظ کرے تو یہ اس کی عنایت ہے مگر تم کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں اور نصوص میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے بعض مقامات پر تحصیل وتسہیل دونوں کو جمع بھی کردیا ہے مگر اس کا التزام نہیں کیا بعض جگہ محض تحصیل عمل کا امر ہے(۴)۔ تحصیل مبحوث عنہ کی رعایت نہیں کہ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شریعت میں کہیں تو صرف امر ونہی ہے کہ اس کام کو کرو اور اس کو نہ کرو یہ تو تحصیل کا عنوان ہے اور کہیں امر ونہی کے ساتھ سہولت عمل کا طریقہ(۵) بھی بتلادیا ہے جس میں تکلیف وعنایات دونوں جمع کردیا ہے مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ شارع کے ذمہ تسہیل(۶) بھی ہے سخت نادانی ہے شارع کو حق ہے کہ امور اختیاریہ کی تحصیل کا امر(۷) کرے اور سہولت عمل کا طریق نہ بتلائے اور اگر چاہے تو بتلا بھی دے اس حقیقت کو ملحوظ رکھ کر اب سنئے کہ اس مقام پر حق تعالیٰ نے انفاق کا امر فرمایا ہے(۸) یہ تو تحصیل ہے مگر اس میں تکلیف کے ساتھ عنایت کو بھی جمع کردیا ہے۔ بعبارت دیگر

(۱) عمل کرنے کے پابند ہو (۲) غیر اختیاری کاموں (۳) اختیار کی جو امانت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اس کو باطل کرنا لازم آتا ہے (۴) صرف عمل کرنے کا حکم ہے (۵) آسانی سے عمل کرنا کا طریقہ بھی بتادیا (۶) اللہ کے ذمہ آسانی پیدا کرنا بھی ہے (۷) اختیاری افعال کو کرنے کا حکم دے آسانی سے عمل پیرا ہونے کا طریقہ نہ بتائے (۸) مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔

یوں کہئے کہ طلب تحصیل کے ساتھ تسہیل (۱) کی بھی رعایت کی ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ انفاق فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری کے لیے عادۃً تصور غایت ضروری ہے (۲) جس کے بغیر صدور نہیں ہوسکتا پس صدور فعل کے لیے تصور غایت کا شرط عادی (۳) ہونا تو ضروری ہے اور وہ بھی اکثری لیکن اسمیں مجھ کو کلام ہے تصور غایت عقلاً بھی لازم ہے یا نہیں، حکماء اس کو عقلاً لازم کہتے ہیں اسی لیے تصور غایت کو علت شمار کیا ہے جس کو علت غایہ سے موسوم (۴) کرتے ہیں مگر اس کے لزوم عقلی میں کلام ہے۔ آپ مدرسہ میں جاکر طلبہ سے پوچھئے کہ وہ کس لیے پڑھ رہے ہیں تو سو میں سے ساٹھ بھی غایت نہ بتلاسکیں گے اور جو بتلائیں گے بھی ان میں بہت سے اسی وقت گھڑیں گے اور لیجئے کھانا تو سب کھاتے ہیں اور یہ فعل اختیاری ہے ذرا بتلادو کہ کھانے کے وقت کیا غایت ذہن میں ہوتی ہے اور کیا سوچ کر کھاتے ہو۔ یقینا بہت سے آدمی کچھ بھی نہیں سوچتے اور کوئی غایت ان کے ذہن میں نہیں ہوتی ہاں جوان پڑھ ہیں ان کی تو البتہ اس میں ایک غایت ہوتی ہے وہ کیا ہے یہی کہ کھائیں اور ہگیں اور وہ بھی لازم التصور نہیں بلکہ لازم الترتب (۵) آپ تعجب نہ کریں کہ یہ کیسی غایت ہے ایک بڑے فلسفی نے یعنی صاحب شمس بازغہ (۶) نے ہی شمس بازغہ میں غایت کی یہ بھی ایک قسم لکھی ہے کالتغوط للاکل (۷) بندہ خدا کو مثال بھی ایسی ہی ملی مگر اعتراض کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، ہر شخص کا اپنا اپنا مذاق ہے، ان فلسفیوں کی طبیعت ایسی ہی ہوگی۔

طبائع کا اختلاف

جیسے ایک بادشاہ نے چار سمت کی چار عورتیں جمع کی تھیں۔ ایک دفعہ اس نے سب کی طبائع کا امتحان کرنا چاہا اور رات کے آخیر حصہ میں سب سے پوچھا کہ اب کیا وقت ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ صبح ہوگئی اس نے دلیل پوچھی تو ایک نے کہا کہ میری

(۱) مال خرچ کرنے کے حکم کے ساتھ اس عمل میں آسانی بھی پیش نظر رکھی (۲) کس مقصد کے لیے ہے اس کا تصور بھی ضروری ہے (۳) کسی فعل کے کرنے کے لیے عادۃ اس کی غرض وغایت کا تصور ضروری ہے (۴) اس کا نام علت غائی رکھا ہے (۵) اس کا بھی تصور لازم نہیں ہاں اس پر یہ نتیجہ ضرور مرتب ہوتا ہے (۶) کتاب کا نام (۷) کھانے کی غایت ہگنا ہے۔

نتھ کا موتی ٹھنڈا ہوگیا ہے یہ بہت لطیف وجہ بیان کی کیونکہ صبح کی ہوا میں خنکی زیادہ ہوتی ہے اس نے موتی کی ٹھنڈک سے اس پر استدلال کیا، دوسری نے کہا کہ پان کا مزہ منہ میں بدل گیا ہے، تیسری نے کہا کہ شمع کی روشنی دھیمی پڑگئی ہے، یہ دلائل تو لطافت ادراک پر مبنی تھے۔ چوتھی نے کہا کہ میرا گوہ آرہا ہے، بادشاہ نے اس بیوی کو الگ کردیا کیونکہ اس کے جواب سے کثافت فہم مترشح تھی(۱) تو جیسا ان جوابات کی بنا اختلاف مذاق پر تھی ایسے ہی شمس بازغہ کی مثال ان فلسفیوں کے مذاق کی خبر دے رہی ہے، غرض مجھے افعال اختیاریہ میں تصور غایہ کا لزوم عقلی مسلم نہیں (۲) ورنہ تخالف نہ ہوتا(۳)۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعادۃ اکثر یہ بدوں تصور غایۃ کے افعال اختیاریہ کا صدور دشوار(۴) ہے۔ خصوصاً افعال شاقہ کا(۵) اور انفاق فعل شاق ہے(۶) تو اس کے قبل اس کی غایت کا تصور ضروری ہوگا۔

انفاق مال میں دو غایتیں

سو یہاں دو غایتیں مذکور ہیں اول غایۃ تو یہ بیان فرمائی ''اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ'' کہ وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے اس غایۃ کا اثر تو تحصیل ہے(۷) کہ اس کے تصور کے بغیر اس فعل اختیاری کا صدور عادۃ دشوار تھا اس کے بعد ایک اور غایۃ بیان فرماتے ہیں: ''وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ'' مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں مِنْ بمعنی لام ہے ای تثبیتا لانفسھم یعنی دوسری غرض انفاق میں یہ ہوتی ہے کہ اپنے نفسوں میں اعمال کے اندر پختگی پیدا کریں اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض بخیلوں کو انفاق میں بہت دشواری ہوتی ہے جن کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ورزر طلبی سخن دریں است(۸)

---

(۱) اس کے جواب سے بدفہمی ٹپکتی تھی (۲) اختیاری کاموں میں غایت کا عقلی تصور لازم نہیں (۳) ورنہ ہر ایک دلیل میں مخالفت نہ کرتا (۴) ہاں یہ ضرور ہے کہ فعل اختیاری اکثر عادۃً بغیر غایت کے تصور کے بمشکل سرانجام پاتا ہے (۵) خصوصا مشکل کام (۶) صدقہ خیرات کرنا مشکل کام ہے (۷) اس تصور سے فعل کا حصول آسان ہوگیا (۸) ''اگر جان طلب کرو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر دولت طلب کرو کلام اسی میں ہے''۔

جیسا مولانا نے ایک بدوی(۱) کا قصہ لکھا ہے کہ سفر میں ایک کتا اس کا رفیق تھا، وہ مرنے لگا تو بدوی اس کی مفارقت کے غم میں (۲) رونے لگا، کسی مسافر نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے کہا یہ کتا میرا رفیق سفر تھا، اب یہ مر رہا ہے میں اس کے غم میں رو رہا ہوں، پوچھا اس کو تکلیف کیا ہے، کہا بھوکا ہے فاقہ سے مر رہا ہے، اس نے دیکھا کہ ایک طرف ایک پوٹلا بندھا ہوا رکھا ہے بدوی سے پوچھا کہ اس پوٹلہ میں کیا ہے کہا سوکھی ہوئی روٹیاں ہیں، کہا ظالم جب تجھے اپنے کتے سے اس قدر محبت ہے کہ اس کے غم میں رو رہا ہے تو اس میں سے ایک روٹی نکال کر کیوں نہیں کھلا دیتا تو وہ کہتا ہے:

گفت ناید بے درم در راہ ناں لیک ہست آب دو دیدہ رائیگاں (۳)

بس میں اتنی ہی محبت رکھتا ہوں کہ اس کو رولوں تو حق تعالیٰ ''وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ '' میں ایسے بخیلوں کے لیے انفاق کی دشواری اور تنگی رفع کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ تم انفاق اسی نیت سے کرو کہ اس سے نفس میں قوت پیدا ہوگی اور انفاق سہل ہوجائے گا بار بار اسی نیت سے انفاق کرو تو یہ مادہ راسخ ہوجائے گا(۴) اس غایت کا اثر تسہیل ہے(۵) اور جو طریقہ سہولت انفاق کا یہاں بتلایا گیا ہے یہ تمام اعمال میں جاری ہے کہ تکرار عمل سے ہر عمل صعب سہل ہوجاتا ہے(۶) گو فطری خلق کے برابر سہولت نہ ہو(۷) یعنی جیسے فطری سخی کو انفاق میں سہولت ہوتی ہے ویسی آسانی گو نہ ہو مگر تکرار سے بھی بہت کچھ سہولت ہوجاتی ہے۔ خصوصاً جبکہ تکرار اسی غرض سے ہوتا کہ عمل سہل ہوجائے اور یہ غرض گو بالذات مقصود نہیں بلکہ غرض اول اصل ہے مگر چونکہ اس بخیل کو انفاق دشوار تھا اس لیے دوسری غرض کو تسہیل کے لیے بیان فرمادیا۔

غرض نکاح

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: ''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ

(۱) دیہاتی (۲) جدائی کے غم میں (۳) ''کہ مجھے اتنی محبت نہیں جو اسے روٹیاں کھلادوں، روٹی کے تو دام لگے ہیں اور آنسو مفت کے ہیں'' (۴) یہ کیفیت دل میں جم جائیگی (۵) آسانی (۶) بار بار کرتے رہنے سے مشکل کام آسان ہوجاتا ہے (۷) اگرچہ ایسی سہولت نہ ہو جیسی اس شخص کو ہو جو طبعی طور پر سخی ہو۔

له و جاء متفق علیه‘‘(۱) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی ایک غرض بیان فرمادی کہ اس سے غفت فرج وحفاظت نگاہ (۲) سہل ہوجاتی ہے اصل مطلوب تو تحصین فرج وغض بصر ہے (۳) جو کہ بدون نکاح بھی قدرت واختیار میں ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کا بھی امر فرمادیا کیونکہ وہ اس مطلوب کی تسہیل کا وسیلہ ہے اسی لیے اغض واحصن صیغہ تفضیل سے فرمایا یعنی یہ غض وتحصین میں زیادہ معین ہے (۴) اور اسی لیے نکاح کی غض وبصر وحصن فرج کی غایۃ تسہیل کہا ہے کیونکہ نگاہ وشرم گاہ کی حفاظت بدوں نکاح کے بھی ممکن ہے کیونکہ نگاہ کا اٹھانا امر اختیاری ہے کوئی دوسرا تو سر نہیں اٹھا دیتا۔

نگاہوں کی حفاظت فعل اختیاری ہے

اور یہ امر مشاہد ہے لیکن اس شخص کو اس میں دھوکہ ہوجاتا ہے کہ یہ یوں سمجھتا ہے کہ میں نظر میں مضطر ہوں (۵) اور دھوکہ اضطرار کا اس لیے ہوتا ہے کہ آج کل لوگ عموماً نگاہ نیچی رکھنے کے عادی نہیں، اونٹ کی طرح سر اٹھا کر ہی چلنے کے عادی ہیں اس لیے نگاہ میں اپنے کو مضطر سمجھتے ہیں پھر نگاہ ڈال کر ہٹانے میں اس کو نفس کے ساتھ کشاکشی سخت ہوتی ہے جس کی مقاومت (۶) دشوار ہوتی ہے اس دشواری کو وہ اضطرار سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ اضطرار نہیں ہے کیونکہ وہ اس حالت میں بھی غض بصر پر قادر رہتا ہے پس وہ مختار ہے اگر اس پر کسی کو شبہ ہو کہ جس اضطرار میں میتۃ حلال (۷) ہوجاتا ہے اضطرار تو وہ بھی نہیں کیونکہ عدم تناول پھر بھی (۸) اختیار میں رہتا ہے پھر سخت تکلیف کو شریعت نے اضطرار قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ تو معلوم ہوا کہ سخت تکلیف بھی اضطرار میں داخل ہے تو غض بصر میں بھی جب سخت بے چینی ہونے

---

(۱) ’’اے نوجوانوں کی جماعت جو گھر گھرستی کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہ کو پست رکھنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے وہ اس کی رگ شہوت کو مل دے گا‘‘ الصحیح للبخاری: ۳/ ۳۴، الصحیح لمسلم کتاب النکاح: ۱، سنن ابی داؤد ب/ ۱
(۲) شرم گاہ کی پاکیزگی اور نگاہ کی حفاظت ہوتی ہے (۳) اصلی غرض تو شرمگاہ کو زنا سے بچانا اور نظریں نیچی رکھنا ہے (۴) حفاظت فرج اور نظر نیچی رکھنے میں زیادہ مددگار رہے (۵) مجبور (۶) مقابلہ مشکل ہے (۷) جس مجبوری میں مردار حلال ہوتا ہے۔ مجبوری تو وہ بھی نہیں (۸) نہ کھانا پھر بھی فعل اختیاری ہے۔

لگے وہ اضطرار کیوں نہیں اور اگر اضطرار اصطلاحی کا ذکر نہیں بلکہ اضطرار لغوی کا ذکر ہے اور یہ اضطرار لغوی اکل میتہ میں عذر ہے اور نظر بالشہوۃ میں عذر نہیں (۱) اگر کوئی کہے کہ اس فرق کا کیا سبب اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی قسمت خدا کی یہی مرضی یہ جواب تو ضابطہ کا تھا۔

کیفیت اضطرار میں فرق

اب میں تبرعاً دونوں میں فرق بھی بتلاتا ہوں کہ اضطرار مخمصہ میں موت کا اندیشہ ہے اور حیات کا بقاء مطلوب ہے کیونکہ وہ معراج ترقی ہے، حیات ناسوتیہ ہی سے روح کو ترقی ہوتی ہے (۲) کیونکہ مدار ترقی اعمال ہیں اور روح مجرد سے صدور (۳) بعض اعمال کا نہیں ہوسکتا تھا اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو پھر جنت سے دنیا میں ہمارے بھیجے جانے کی کیا ضرورت تھی اور نظر الی الاجنبیہ (۴) سے بچنے میں موت کا خوف نہیں بلکہ غض بصر (۵) میں زیادہ حیات ہے حدیث میں وعدہ ہے کہ جو شخص تقاضائے نظر کے وقت نگاہ نیچی کرلے اس کو حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے۔

اور اس کے ساتھ ایک طبعی حلاوت بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ جب غض بصر کے بعد اس کا دل یہ کہتا ہے کہ شاباش آج شیطان کو خوب زیر کیا اور یہ فخر اہل اللہ نے بھی کیا ہے مگر اشر و بطر کے ساتھ نہیں بلکہ تحدث بالنعمہ کے طور پر اس قسم کا فرح محمود ہے (۶) چنانچہ نص ہے: ''قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا'' (۷) غرض غض بصر میں باطنی حیات بھی ہے اور حیات ظاہرہ کا ابقاء بھی ہے کیونکہ بعض دفعہ یہ نگاہ بد جان (۸) و ایمان تک لے لیتی ہے۔

بدنظری کا انجام

ابن القیم نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی امرد (۹) پر عاشق تھا اور وہ

(۱) مردار کھانے میں عذر اور شہوت کی نظر سے دیکھنے میں عذر نہیں (۲) بدن کے زندہ رہنے سے ہی روح کی ترقی ہوتی ہے (۳) بغیر جسم صرف روح بعض اعمال نہیں کرسکتی (۴) اجنبی عورت کو دیکھنے سے بچنے میں موت کا ڈر نہیں (۵) نظریں جھکانے میں زندگی ہے (۶) اس قسم کی خوشی پسندیدہ ہے (۷) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمادیجئے کہ خدا تعالیٰ کے انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے'' (۸) بری نگاہ (۹) نوعمر بچہ۔

اس سے نفور(۱) یہاں تک کہ یہ عشق میں گھل کر مرنے کے قریب ہوگیا اور آثار نزع(۲) شروع ہوگئے، اس امرد کو اطلاع ہوئی تو اس کے دل میں رحم آیا کہ لاؤ ایک دفعہ اس سے مل لوں اب تو مر ہی رہا ہے وہ اس ارادہ سے گھر سے چلا اور اس کی اطلاع کسی نے عاشق کو دی تو فوراً جسم میں قوت آگئی اور اٹھ بیٹھا پھر امرد کو اپنی بدنامی کا خیال ہوا اور راستہ میں لوٹ گیا اور مومن کے قول پر عمل پیرا ہوا۔

کہا اس بت سے مرتا ہے وہ مومن کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

اس امرد نے اس وقت اسی شعر پر عمل کیا اس کی اطلاع بھی عاشق کو ہوئی تو پھر گر پڑا اور نزع شروع ہوگیا، لوگوں نے اس کو کلمہ کی تلقین شروع کی تو بجائے کلمہ کے اس نے امرد کو خطاب کرکے اشعار پڑھنا شروع کیے جن میں ایک شعر یہ تھا:

رضاك اشهى الى فوأدى من رحمة الخالق الجليل(۳)

''(نعوذ باللہ نعوذ باللہ) اور اسی کلمہ کفر پر جان دے دی اور یہ خطرہ نظر عمد میں ہے اور وہی حرام بھی ہے باقی اور نظر فجاءۃ (۴) میں یہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ فوراً غض بصر(۵) کرنے سے وہ اثر قوی نہیں ہونے پاتا اگر اس پر کسی کو شبہ ہو کہ ممکن ہے اس میں بھی ہلاکت ہوجائے تو میں کہوں گا کہ یہ امکان ایسا ہے جیسا امام ابو یوسف کے شاگرد نے مجلس امالی میں سوال کیا تھا کہ آپ نے ابھی جو یہ فرمایا ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی روزہ افطار کرلینا چاہیے تو بھلا اگر کسی دن آفتاب ہی غروب نہ ہو تو کیا کرے اور وجہ فرق کی یہی ہے کہ نظر فجاءۃ میں بوجہ عدم التفات کے دقائق حسن کا ادراک(۶) نہیں ہوتا یوں ہی سرسری طور پر صورت سامنے ہوجاتی ہے اب اس کو حکم ہے صرف نظر کا اگر فوراً نگاہ کو ہٹالے تو کچھ خطرہ نہیں اور اگر اس کے بعد عمداً دیکھنے لگا تو اب اس کو اس کے ساتھ تعلق ہوجانے کا احتمال ہے اور تعلق کے بعد اگر وصال نہ ہوا تو موت کا خطرہ ہے اور ایک دوبار وصال ہوگیا تو اس سے پیاس بجھے گی نہیں بلکہ زیادہ بھڑکے گی۔ کراو بوس سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

(۱) وہ اس سے بیزار (۲) موت کے آثار (۳) خالق جلیل کی رحمت کے مقابلے میں میرے دل کو تیری رضامندی پسند ہے (۴) اچٹتی ہوئی پہلی نظر (۵) فوراً نگاہ جھکا لینے سے (۶) اچٹتی نظر میں حسن کی باریکیوں کی خبر نہیں ہوتی۔

عشق مجازی کا علاج

اور اگر کسی کو ہمیشہ وصال میسر ہوسکتا ہے تو اس کمبخت کو نکاح سے کون چیز مانع ہے ایسی حالت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ''لم یر للمتحابین مثل النکاح'' یعنی جن میں باہم محبت ہوجائے ان کو نکاح کرلینا چاہیے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر اس کا علاج نظر ووصال سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی طرف سے خیال کو ہٹاؤ جس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی بدصورت بدشکل کا مراقبہ کرو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو دیکھو میں اس کا مراقبہ بھی بتلاتا ہوں مراقبہ موت ورؤیت تو سب بتلاتے ہیں میں بدشکل کافر کا مراقبہ بھی بتلاتا ہوں کیونکہ طب میں کبھی طیبات سے علاج ہوتا ہے کبھی خبیثات سے (اور اگر کوئی شکل قابل نفرت مراقبہ کے لیے نہ ملے تو پھر اس محبوب ہی کو بدشکل تصور کرو یعنی یوں خیال کرو کہ یہ ایک دن مرے گا اور اس کا چہرہ خاک میں مل جائے گا اس میں سے خون پیپ، ناک اور آنکھ کے راستہ سے بہے گا اس کے بدن میں کیڑے پڑ جائیں گے، تھوڑی دیر اس کی اس حالت کا مراقبہ کرو اس سے بھی نفع ہوگا) اور خیال ہٹانے کی یہ صورت نافع نہیں کہ تم براہ راست اس کے حسن کے تصور دفع کرنے کا قصد کرو(۱) کیونکہ اس میں پھر استحضار ہوگا حسن کا(۲) سلب بھی جلب ہوجائے گا(۳)۔

دوشالہ میرا ہے

میں نے مولانا سید احمد صاحب دہلوی سے ایک حکایت اسی قبیل کی سنی ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کی شادی میں دولہا کے لیے کسی کا دوشالہ مانگ کر مجلس نکاح میں اوڑھا دیا وہ اوچھا آدمی تھا اس نے دوشالہ تو دے دیا مگر اب جو شخص مجلس میں سے آکر پوچھتا کہ دولہا کہاں ہے وہ کہتا ہے کہ دولہا تو وہ ہے مگر دوشالہ میرا ہے، لڑکے کے باپ نے کہا تو بڑا اوچھا آدمی ہے بھلا اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ دوشالہ میرا ہے اس نے کہا کہ بہت اچھا اب نہ کہوں گا، اس کے بعد کسی نے پوچھا کہ دولہا کونسا ہے تو آپ کہتے ہیں

(۱) اس کے حسن کے تصور کو دور کرنے کا ارادہ کرو (۲) اس طرح اس کا حسن پیش نظر ہوجائے گا (۳) دور ہونے کے بجائے قرب ہوگا۔

کہ دولہا تو وہ ہے اور دوشالہ میرا نہیں ہے۔ بارات والوں نے پھر ملامت کی کہ کمبخت تجھے دوشالہ کے ذکر ہی کی کیا ضرورت ہے اس نے کہا بہت اچھا اب سے ذکر نہ کروں گا، اس کے بعد کسی نے پوچھا تو کہا کہ دولہا تو وہ ہے اور دوشالہ کا ذکر ہی نہیں کہ کس کا ہے اس پر دولہا نے دوشالہ اتار کر پھینک دیا تو دیکھئے اس نے دوشالہ کی نفی کی تھی مگر وہ بھی اثبات تھا اسی طرح محبوب کے تصور کو بلا واسطہ دفع کرنا یہ بھی جلب تصور ہے (۱)۔

عشق مجازی کا دوسرا علاج

بلکہ اس کا صحیح قاعدہ وہ ہے جس کو فلاسفہ اور صوفیاء نے بیان کیا ہے۔ ''النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد'' کہ ایک آن میں دو چیزوں کی طرف نفس متوجہ نہیں ہوسکتا اور گو اس کو قاعدہ عقلیہ کہا جاتا ہے مگر میرے نزدیک یہ بھی قاعدہ عقلیہ نہیں بلکہ قاعدہ عادیہ ہے (۲) مگر عادۃ اس میں لزوم ایسا ہے جس سے لزوم عقلی کا شبہ ہوجاتا ہے اور اس قاعدہ کے استعمال کا طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کسی دوسری شے کی طرف توجہ کو منعطف کرو (۳) کیونکہ عشق بطالت (۴) سے ہوتا ہے اطباء نے اس کی تصریح کی ہے اسی لیے طلبہ کو عشق زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بہت بے فکر ہیں (پہلے زمانہ کے طلبہ ایسے بے فکر نہ تھے اس لیے ان میں یہ مرض نہ تھا اور آج کل بے فکری زیادہ ہے) کیونکہ جو کام ان کے ذمہ ہے مطالعہ وتکرار وغیرہ اختیاری ہے کہ جب چاہیں الگ کردیں اور بے فکر ہوجاویں باقی جو شخص کسی فکر میں لگا ہوا ہو اس کو عشق نہیں ہوتا چنانچہ گھس کُھدے (۵) مزدور کو تصور حسینان کی کہاں مہلت ہے پس تم بطالت و بے فکری کو دور کرو اور کوئی شغل اپنے ذمہ لگاؤ اور کسی شئے کی طرف اپنی توجہ کو منعطف کرو۔

اجنبیہ سے بچنے کی بہترین تدبیر

حدیث میں اسی علاج کی تعلیم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو اسی وقت اپنی بیوی سے جا کر مشغول ہوجاؤ اس کے

(۱) محبوب کے تصور کو بغیر واسطے کے دور کرنا اس کے تصور میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے (۲) عادۃً ایسا ہوجاتا ہے (۳) توجہ کو پھیر دے (۴) بے فکری (۵) گھاس کھود کر بیچنے والا۔

بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''فان الذی معھا مثل الذی معھا''(۱) ظاہر میں یہ جملہ معمولی بات ہے مگر حقیقت میں یہ ایک قاعدہ عظیمہ پر تنبیہ ہے جس کی تقریر حضرت استاذ علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے جو کسی کے کلام میں میری نظر سے نہیں گزری اس کو بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو ہمارے اکابر کے کمال علوم کا اندازہ ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ متناولات (۲) میں چار قسم کی چیزیں ہیں بعض میں محض لذت مقصود ہے جیسے فواکہ (۳) بعض میں دفع حاجت مقصود ہے بعض میں دونوں مقصود ہیں مگر غالب حاجت ہے جیسے اغذیہ یومیہ (۴) بعض میں دونوں مقصود ہیں مگر غالب لذت ہے اور عادۃ قرب نساء (۵) ایسی ہی چیز ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں ہم کو اس امر کی تعلیم فرمائی ہے کہ تم اس میں بھی حاجت ہی کو غالب رکھو اور دفع حاجت میں اجنبیہ اور منکوحہ دونوں مساوی ہیں۔ یہ مطلب ہے: '' ان الذی معھا مثل الذی معھا ای انھما مساویان فی قضاء الحاجۃ ''(۶) سبحان اللہ بے نظیر علم ہے۔

غض بصر کا بہترین علاج

بہر حال شارع نے اس حدیث ''معشر الشباب تزوجوا الخ'' میں نکاح کی ترغیب اس لیے دی ہے تا کہ غض بصر سہل (۷) ہوجاوے اور یہ شارع کے ذمہ نہ تھا بلکہ محض عنایت تسہیل کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ جس کو غض بصر دشوار (۸) ہو وہ نکاح کرلے، گو شارع کو یہ بھی حق تھا کہ بدون اس کے بھی غض بصر کا امر (۹) فرمادیں کیونکہ نظر اختیاری ہے جیسا کہ اوپر مفصل مذکور ہوا اور اس سے معلوم ہوا کہ کبھی شارع بھی تسہیل کا لحاظ فرماتے ہیں۔

صوفیاء کی سہولت پسندی

پس صوفیاء اہل بدعت نہیں جو اعمال شرعیہ میں سہولت کا طریق بتلاتے ہیں

(۱) ''کہ جو چیز اس کے پاس ہے ویسی ہی اس کے پاس ہے'' (۲) کھانے والی چیزوں کی (۳) میوہ جات (۴) روزانہ کی غذا (۵) عورت کے قرب میں بھی لذت مقصود ہے (۶) قضائے حاجت دونوں میں یکساں ہے (۷) نظر جھکانا آسان ہوجائے (۸) نگاہ نیچی کرنا مشکل ہو (۹) حکم دیدیں۔

اوراسی میں مشائخ علماء ظاہر سے ممتاز ہیں کیونکہ علماء اس کو نہیں جانتے۔ پس صوفیاء پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے یہ بدعت کہاں سے نکالی کہ اعمال شرعیہ کی تسہیل کے طرق بتلاتے ہیں۔ میں نے بتلادیا کہ شارع نے بھی کبھی اس کا لحاظ فرمایا ہے چنانچہ اول تو شارع نے تسہیل غض بصر (۱) کے لیے نکاح کو تجویز کیا اور جو نکاح پر قادر نہ ہو اس کے لیے اسی تسہیل کے لیے ارشاد ہے: ''ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء'' کہ جو نکاح نہ کرسکے وہ روزے رکھا کرے کیونکہ روزہ بمنزلہ اختصاء (۲) کے ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ اختصاء کے بعد بھی بعض دفعہ شہوت کم نہیں ہوتی چنانچہ تجربہ ہے کہ ایسے لوگ باندیاں خریدتے ہیں اور ان سے مجامعت کرتے ہیں ہاں ان کو انزال نہیں ہوتا اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع عضو (۳) کے بعد بھی شہوت باقی رہتی ہے ایسا مرد مساحقہ کا طالب ہوتا ہے۔

بے فکری کی زندگی کی خواہش

ایک بزرگ سے میں نے ایک حکایت سنی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو شہوت باقی رہتی ہے وہ حکایت یہ ہے ایک شخص کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تمنا بے حد تھی چنانچہ ایک بار ملاقات ہوئی اور حضرت خضر نے دریافت فرمایا کہ بتلاؤ مجھ سے کیا کام ہے، کہاں میرے لیے دعا کردیجئے کہ بے فکری کی زندگی نصیب ہو، فرمایا دنیا میں بے فکری دشوار ہے کیونکہ یہ دار ابتلاء ہے یہاں چین نہیں ہوسکتا ہاں یہ ممکن ہے کہ تم دنیا میں مختلف لوگوں کی حالت دیکھ کر کسی ایک کو تجویز کرلو، میں دعا کروں گا کہ تم بھی ویسے ہی ہوجاؤ اس نے کہا بہت اچھا، یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں کوئی تو بے فکر ملے گا چنانچہ اس نے سیاحت شروع کی اور امراء وسلاطین کا امتحان شروع کیا، معلوم ہوا کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی فکر ضرور کرتا ہے بے فکر کوئی نہیں، پھر ایک جوہری کو دیکھا کہ وہ بڑا بے فکر ہے صبح کو دکان کھولتا ہے دس بارہ لڑکے جوان اس کے پاس دکان میں رہتے ہیں جو اس کے بیٹے معلوم ہوتے تھے اور نوکر چاکر ان کے علاوہ تھے۔ وہ صبح سے شام تک

(۱) بسہولت نگاہوں کی حفاظت کے لیے (۲) خصی ہونے کے قائم مقام ہے (۳) آلہ تناسل کاٹنے کے بعد بھی۔

دکان پر بیٹھتا اور خوب خیرات کرتا اور تجارت بھی کرتا۔ ظاہر میں اس کو کوئی فکر معلوم نہ ہوتا تھا یہ اس کے پاس تین دن ٹھہرا اور اس کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ بس میں بھی اسی کے مثل ہونے کی دعا کراؤں گا، پھر خیال ہوا کہ اس سے بھی دریافت تو کرنا چاہیے، مبادا اس کو کوئی ایسا فکر ہو جس کی مجھے اطلاع نہ ہو۔ چنانچہ اس سے دریافت کیا اور وجہ بھی بتلادی کہ میں نے حضرت خضر سے یہ درخواست کی تھی انہوں نے یہ جواب دیا اور اب تجھ کو دیکھ کر مجھے خیال ہوتا ہے کہ تیرے جیسی زندگی کی دعا کراؤں، یہ سن کر وہ جوہری سانس بھر کر آبدیدہ ہوا اور کہا خدا میرے جیسی مصیبت تو کسی دشمن کو بھی نہ دے، پھر قصہ بیان کیا کہ میری بیوی بہت حسین ہے ایک دفعہ وہ بیمار ہوئی اور مرنے کے قریب ہوگئی، میں رونے لگا تو اس نے کہا کیوں روتے ہو تم تو چار دن کے بعد دوسرا نکاح کرلوگے پھر مجھے بھول بھال جاؤ گے، میں نے کہا یہ ہرگز مجھ سے نہ ہوگا، کہا سب یونہی کہا کرتے ہیں تو میں نے استرہ نکال کر اپنا عضو کاٹ ڈالا کہ اب تو اطمینان ہوگیا، اس نے کہا ہاں واقعی اطمینان ہوگیا، اس کے بعد وہ کم بخت اچھی ہوگئی اور میں بیکار ہو چکا تھا تو اس نے نوکروں سے تعلق پیدا کرلیا اور یہ جتنے لڑکے آپ کے سامنے ہیں سب انہی نوکروں کی عنایت مگر میں خاموش ہوں کیا کہوں کیونکہ یہ بلا میں نے اپنے ہاتھوں خریدی ہے اب یہ شخص اپنے گھر واپس آیا اور حضرت خضر سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہو تم نے کسی کو تجویز کیا، کہا واقعی دنیا میں کوئی بھی فکر سے خالی نہیں، حضرت خضر نے فرمایا بس تم یہ خیال چھوڑ دو اور اس کی درخواست کرو کہ حق تعالیٰ تم کو اپنی محبت عطا فرمائیں اور آخرت کی بے فکری نصیب ہو، کہا ہاں بس اسی کی دعا کر دیجئے واقعی یہی بات ہے پھر اگر کچھ بے فکری ہے تو تعلق مع اللہ ہی میں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست (۱)

خلوت گاہ حق سے مراد تعلق مع اللہ ہی ہے تو اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو اپنی حالت پر حسرت تھی اس حسرت میں خواہش کو بھی دخل تھا کہ تمتع کی خواہش موجود مگر فقدان اسباب وآلات سے معذور اس لیے غم زدہ تھا۔

(۱) ''کوئی گوشہ بغیر دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے سوائے خلوت گاہ حق کے کہیں آرام نہیں ہے''

روزہ کا فائدہ

اور روزہ ان سب سے بڑھ کر ہے کہ شہوت بھی کم ہوجاتی ہے اور انسان بھی بے کار نہیں ہوتا۔ مگر ایک بات سمجھ لینا چاہیے کہ بعض دفعہ روزہ سے ابتداء صوم میں شہوت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے کہ شریعت نے کیسا علاج تجویز کیا، بات یہ ہے کہ بعض دفعہ قلت شہوت کا منشاء کثافت اخلاط ہوتا ہے ایسی حالت میں چونکہ روزے سے اخلاط میں لطافت پیدا ہوگی تو اول اول شہوت بڑھے گی مگر یہ برابر روزہ رکھتا ہے تو کثرت صوم کا انجام ضعف شہوت (۱) ہی ہوگا اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ قلت شہوت کا منشاء کبھی کثافت اخلاط ہوتا ہے اس کو میں بہت دعوے کے ساتھ کہتا ہوں اور ببانگ دہل کہتا ہوں کہ جس پر شہوت کا زیادہ غلبہ ہو وہ اس وقت خوب پیٹ تن کر کھانا کھالے تو شہوت افسردہ ہوجائے گی مگر شارع نے یہ علاج اس لیے تجویز نہیں کیا کہ اس سے لحوق امراض کا اندیشہ ہے (۲)۔

بہرحال کثرت صوم کا انجام ضعف شہوت ہی ہے گو ابتداء میں ضعف کا احساس نہ ہو چنانچہ اخیر حصہ رمضان میں ہر شخص کو ضعف معلوم ہوتا ہے گو افطار وسحر میں اس نے کتنا ہی پیٹ بھر کر کھایا ہو کیونکہ میرے نزدیک سبب ضعف تبدیل وقت ہے، تقلیل غذا سے ضعف نہیں ہوتا، پس جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ روح صوم تقلیل غذا ہے جب افطار وسحر میں خوب پیٹ بھر کر کھالیا تو اس روزہ سے فائدہ ہی کیا ہوا، ان کا قول میرے نزدیک صحیح نہیں بلکہ صرف تبدیل وقت ہی ضعف بہیمیت (۳) کے لیے کافی ہے۔

تکرار عمل کا فائدہ

غرض یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ شارع نے جس طرح تحصیل اعمال کا اہتمام کیا ہے اسی طرح تسہیل اعمال (۴) کا بھی کہیں کہیں لحاظ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ

(۱) شہوت کا کمزور ہونا (۲) مرض میں ابتلاء کا اندیشہ ہے (۳) حیوانیت کو کمزور کرنے کے لیے کافی ہے
(۴) اعمال میں سہولت۔

حدیث تو رعایت تسہیل میں صریح تھی اب آیت میں غور کیجئے تو یہاں بھی حق تعالیٰ نے اول ایک غایت تحصیل عمل کے لیے بیان فرمائی اس کے بعد دوسری غایت تحصیل عمل کے لیے ذکر فرمائی کہ تکرار انفاق (۱) سے انفاق سہل (۲) ہوجاتا ہے پس انفاق میں یہ غرض بھی ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ طریقہ تمام اعمال کی تسہیل میں مفید ہے تکرار عمل سے ہر عمل شاق سہل ہوجاتا ہے جیسا اوپر بھی مذکور ہوچکا ہے مگر طریقہ تسہیل کا بتلانا شارع کے ذمہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احکام میں اسکی رعایت نہیں کی گئی اور ہر عمل کی سہولت کا طریقہ شارع نے نہیں بتلایا۔

علماء کی ذمہ داری

نیز علماء کے ذمہ بھی طرق سہولت بتلانا لازم نہیں اور اسی کی فرع یہ بھی ہے کہ علماء کے ذمہ یہ بھی نہیں کہ مسائل کے جواب میں ایسی تقریر کریں کہ مخاطب کی سمجھ ہی میں آجائے جبکہ وہ مسئلہ ان کی فہم سے عالی ہو(۳)۔ ہاں مسئلہ کی تقریر کردینا جبکہ وہ ضروری سمجھیں ان کے ذمہ ہے خواہ مخاطب سمجھے یا نہ سمجھے اور اگر مخاطب سے فہم کی امید نہ ہوتو علماء کے ذمہ تقریر کرنا بھی لازم نہیں، ان کو یہ کہہ دینے کا حق ہے کہ تم اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ رام پور میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ معراج کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آیا، مجھے اس پر کچھ اشکالات ہیں، میں نے کہا بیان کیجئے کہا یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان زمین سے آسمان پر پہنچ جائے کیونکہ درمیان میں کرہ زمہریر ہے کرہ نار ہے (۴) نیز حکماء کا قول ہے کہ چند میل اوپر ہوا نہیں ہے وہاں کوئی متنفس (۵) زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ سانس کے لیے ہوا کی ضرورت ہے پھر معراج کیونکر ہوئی، میں نے کہا بدون نفس کے زندہ رہنا محال ہے یا مستبعد ہے (۶)۔اسی طرح زمہریر ونار میں زندہ رہنا محال یا مستبعد ہے۔ گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت محال ومستبعد میں فرق ہی نہ سمجھتے تھے، میں نے ان دونوں میں فرق ظاہر کیا اور کہا اب آپ کے اشکالات کا حاصل یہ ہوا کہ معراج

(۱) بار بار صدقہ دینے سے (۲) صدقہ کرنا آسان ہوجاتا ہے (۳) سمجھ سے بالاتر ہے۔ (۴) سخت سردی اور آگ ہے (۵) سانس لینے والی مخلوق (۶) محال وہ فعل کہلاتا ہے جس کے ہونے میں کوئی عقلی استحالہ پیش آتا ہو۔ اور مستبعدہ وہ فعل کہلاتا ہے جو خلاف عادت ہو اور معجزہ ایسے ہی فعل کو کہتے ہیں۔

کا واقعہ مستبعد ہے سو اس سے ہم کو انکار نہیں، معجزات مستبعد تو ہوتے ہی ہیں ورنہ معجزہ ہی کیوں کہا جاوے لیکن محال ہرگز نہیں کیونکہ اس میں عقلی استحالہ کچھ نہیں وہ کہنے لگے کہ یہ دقائق میں نہیں سمجھتا، مجھے اس کی کوئی نظیر مشاہدات میں بتلایئے، میں نے کہا کہ نظیر پر ثبوت دعویٰ موقوف نہیں ہوتا کیونکہ نظیر بھی تو ایک واقعہ ہے اگر ہر واقعہ کو دوسرے واقعہ کے واسطہ سے مانا جائے گا تو یا تو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے یا کہیں سلسلہ کو قطع کرو گے تو یہ آخیر کا واقعہ بدون نظیر کے مانا گیا، پھر واقعہ معراج ہی کو اولاً بدوں نظیر کے کیونکر نہیں مانا جاتا مگر وہ پھر بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہانکتے رہے کہ سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا بس اتنی کسر رہ گئی کہ میں آپ کے سامنے آسمان پر اڑوں کہ دیکھو معراج یوں ہوا کرتی ہے اس کے بعد ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ تنفس کی ضرورت مکث (۱) طویل میں ہوتی ہے اور مکث طویل ہی سے خورد برد کا (۲) اثر بھی لازم آتا ہے سرعت سیر میں نہ تنفس کی ضرورت ہے نہ مرور فی النار (۳) سے احتراق لازم آتا ہے۔ چنانچہ چراغ کی لو میں جلدی جلدی انگلی چلائی جائے تو آگ کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، پس اگر مان لیا جائے کہ اوپر ہوا نہیں ہے تو اس سے واقعہ معراج پر کیا اشکال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طبقہ کو جو نہایت سرعت سے طے کیا ہے جس میں آپ کو تنفس کی ضرورت نہیں ہوئی اور ضرورت ہوئی بھی تو پندرہ بیس منٹ حبس دم (۴) کرنے سے ہلاکت نہیں ہوتی اور اسی سرعت کی وجہ سے آپ کے جسم پر نار وزمہریر (۵) کا اثر نہیں ہوا مجھے یہ جواب پسند آیا اور خیال ہوا کہ اس وقت یہ بات معلوم ہوجاتی تو سائل کی تسلی ہوجاتی مگر مجھے زیادہ خیال نہیں ہوا کیونکہ تسلی کرنا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔

حضرت تھانوی کا جواب

علی گڑھ میں ایک پروفیسر میرے پاس آئے جو علوم عربیہ کے استاد وہاں مشہور تھے، انہوں نے ایک حدیث حاکم کا متن پڑھا ’’ ولا ظھرت الفاحشۃ فی قوم

(۱) زیادہ دیر اس حالت میں رہے (۲) زیادہ دیر رہنے سے ہی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے (۳) تیز رفتاری سے گزرنے میں یہ بات پیش نہیں آتی نہ سانس لینے کی ضرورت نہ جلنے کا خطرہ۔ (۴) سانس روکنے (۵) آگ وٹھنڈک۔

الا سلط علیھم الموت ''(۱) یعنی وبا اور طاعون کثرت زنا سے ہوتا ہے، سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا طاعون وزنا میں ارتباط سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا پھر اس کے نہ سمجھنے سے ضرر ہی کیا ہوا(۲)، کہنے لگے ضرر تو کچھ نہیں ہوا لیکن معلوم ہونے سے نفع ہوتا(۳) میں نے کہا کہ وہ نفع کیا ہے کہنے لگے اطمینان، میں نے کہا اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل، کہا اگر یہ مطلوب نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو طلب نہ فرماتے، میں نے کہا کہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نافع ہو(۴) وہ آپ کے لیے بھی نافع ہو، بس اس پر وہ خاموش ہوگئے، میں نے اس کے بعد ان سے کہا کہ مولانا آپ یہ نہ سمجھیں کہ ملانوں کو اس کا ارتباط (۵) معلوم نہیں، الحمد للہ کہ ہم کو بعض اسرار کا علم بھی بزرگوں کے طفیل سے حاصل ہے مگر بتلانا مصلحت نہیں سمجھتے اور میں نے یہ شعر پڑھا:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۶)

ہمیں خبر ہے مگر آپ کو نہیں بتلاتے کیونکہ اسرار کا بتلانا ہمارا ذمہ نہیں صرف احکام کا بتلانا ہمارے ذمہ ہے، پھر میں نے احباب کے جلسہ خاص میں اس ارتباط کی تقریر کردی۔ غرض اسی طرح طرق تسہیل کا بتلانا ہمارے ذمہ نہیں بلکہ مشائخ کے بھی ذمہ نہیں گو مشائخ مشائخ بنے اسی سے ہیں کہ وہ فن تسہیل (۷) سے واقف ہیں مگر یہ ان کے ذمہ نہیں، محض ان کی عنایت ورحمت ہے، مخلوق پر کہ وہ طرق تسہیل بتلادیتے ہیں اور وہ بھی اس طرق کو اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جو تحصیل میں ساعی (۸) ہو اور جو شخص تحصیل اعمال میں کوتاہی کرکے تسہیل کا طالب ہو وہ اس کے ساتھ تسہیل کا معاملہ نہیں کرتے بلکہ تکلیف کا معاملہ کرتے ہیں (یہاں پہنچ کر اذان عصر ہوگئی تو فرمایا کہ بس میں اب ختم ہی کرنے والا ہوں یہ فرما کر خاموش ہوگئے اور اذان کے بعد فرمایا) کہ اب

(۱) المستدرک للحاکم: ۲/ ۱۲۶، الدر المنثور للسیوطی: ۴/ ۱۸۰ (۲) کیا نقصان ہے (۳) فائدہ (۴) مفید (۵) ربط (۶) ''راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ تو مجلس عارفین میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی خبر نہ ہو'' (۷) سہولت سے راستہ طے کرانا جانتے ہیں (۸) اس کے حصول میں کوشش کرے۔

میں مقصود کی توضیح (۱) کر کے چند باتیں تفسیر آیت کے متعلق بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔

تفسیر آیات

میرا مقصود اس آیت کی تلاوت سے یہ تھا کہ شارع نے اصل میں ہم کو اعمال اختیاریہ کی تحصیل (۲) کا مکلف کیا ہے اور شارع کے ذمہ تسہیل کی رعایت نہیں مگر محض عنایت کی وجہ سے بعض دفعہ تسہیل کی بھی رعایت (۳) فرمالیتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں کیا گیا ہے پس سالکین کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ سہولت کے طالب ہیں اور طلب تحصیل میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اس میں مقصود بالذات کو تابع اور مقصود بالغرض کو اصل قرار دینا ہے۔ نیز صفت اختیار کا ابطال ہے (۴) جو امانت الٰہیہ ہے اب میں مختصراً تشبیہ کے متعلق جو اس آیت میں مذکور ہے کچھ عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ نے یہاں نفقات کو جنات (۵) سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح باغ میں پھل کو ترقی ہوتی ہے اسی طرح نفقات میں زیادت ہوتی ہے اور وابل سے (۶) اخلاص کی تشبیہ مقصود ہے جس کی دلیل اوپر کی آیات ہیں کیونکہ اوپر ریاء فی الانفاق کی مذمت ہے: كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (۷) اس کے بعد اخلاص فی انفاق کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور جب وابل سے مراد اخلاص ہے اور اس کے مقابلہ میں طل مذکور ہے اور وابل کہتے ہیں موسلا دھار بارش کو، طل (۸) کہتے ہیں پھوار کو تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ وابل سے اخلاص کامل مراد ہے اور طل سے اخلاص قلیل مراد ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اگر اخلاص کامل ہوا تو نفقات میں ترقی زیادہ ہوگی اور اگر اخلاص قلیل ہوا تو وہ بھی ترقی کے لیے کافی ہے۔ گو زیادہ ترقی نہ ہو۔

---

(۱) وضاحت (۲) اختیاری اعمال کے حاصل کرنے کا پابند کیا ہے (۳) آسانی کی بھی رعایت کردی (۴) صفت اختیار کو باطل کرنا ہے (۵) صدقات کو باغات سے تشبیہ دی ہے (۶) موسلا دھار بارش (۷) ''جس طرح جو شخص لوگوں کو دکھلانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا'' سورۃ البقرۃ: ۲۵۶ (۸) پھوار۔

وہمیوں کا علاج

اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل بھی مطلوب ہے بلکہ اس سے وہمیوں کا علاج کیا گیا ہے کیونکہ اگر اخلاص کامل کا مطلوب ہونا ان کے ذہن نشین ہوجائے تو ان سے کوئی عمل نہ ہوسکے گا کیونکہ پہلے ہی دن اخلاص کامل میسر نہیں ہوسکتا جیسے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے سامنے ایک جنازہ کی نماز شروع ہوئی اور وہ شریک نہ ہوئے، کسی نے پوچھا کہ آپ نے نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی، فرمایا کہ میں نیت کی تصحیح (۱) میں مشغول رہا یہی سوچتا رہا کہ اس وقت اس میت کی نماز پڑھنے میں کیا نیت ہے کیونکہ نماز جنازہ میں مختلف نیتیں ہوتی ہیں کبھی اعزہ واقرباء کی خاطر سے پڑھی جاتی ہے کبھی میت کی وجاہت کا اثر ہوتا ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ میت محلہ دار ہے اگر نماز نہ پڑھیں گے تو اہل محلہ ملامت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس یا عالم کے جنازہ کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، غریبوں کے جنازہ کا اس قدر اہتمام نہیں ہوتا، اگر اخلاص منشا ہوتا تو یہ فرق کیوں ہوتا۔ اسی طرح حافظ اگر تراویح میں سوچتا رہے کہ میں تراویح میں جو بنا سنوار کر قرآن پڑھ رہا ہوں اس میں کیا نیت ہے کیونکہ تنہاء نماز پڑھتے ہوئے ایسا اہتمام نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ تراویح ہرگز نہیں پڑھا سکے گا۔ پس اس وہم کا علاج کر دیا گیا کہ تم کس وہم میں مت پڑو ہمارے یہاں اخلاص قلیل بھی کافی ہے بس تم اپنی طرف سے برا قصد نہ کرو اس کے بعد بے فکر ہوکر کام میں لگو اور اخلاص کامل کے لیے سعی کرتے رہو، اسی طرح سے ایک دن اخلاص کامل بھی میسر ہوجائے گا اور اگر پہلے ہی دن اخلاص کامل پر عمل کو موقوف رکھا تو تم سے کچھ بھی نہ ہوسکے گا۔ یہ مطلب ہے: ''فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ'' (اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو پھوار بھی کافی ہے) کا کہ ابتداء میں اخلاص قلیل ہی کو کافی سمجھو اور عمل شروع کردو، یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل ہی مطلوب ہے بلکہ مطلوب تو اخلاص کامل ہے مگر اس کے حصول کا طریقہ یہی ہے کہ اول قلیل ہی سے عمل شروع کردو۔

(۱) نیت درست کرنے میں۔

حکایت

طل پر مجھے ایک لطیفہ ہارون رشید کی باندی کا یاد آ گیا، گو مضمون سے اس کو تعلق نہیں مگر لفظ طل سے تعلق ہے۔ ہارون الرشید نے اپنی ایک جاریہ کو کسی غلام سے ہنستے بولتے دیکھ لیا جس کا نام تھا طل (غلام لونڈیوں کے ایسے ہی نام ہمارے عرف میں رکھتے ہیں جیسے بہار وغیرہ) ہارون الرشید نے اس جاریہ کو ڈانٹا اور کہا کہ خبردار جو کبھی اس سے بات کی بلکہ کبھی زبان سے اس کا نام بھی مت لینا، ایک بار وہ لونڈی قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی کہ یہی آیت آئی اس کو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین ایسے موقع پر موجود ہیں جہاں اس کی آواز جا رہی تھی تو اس نے کیا مزہ کیا کہ آیت کو اس طرح پڑھا فان لم یصبها وابل فالذی نهانی عنه امیر المومنین (تلاوت میں لفظ طل کی جگہ پڑھا کہ امیر المومنین نے طل کا نام لینے سے روکا ہے) امیر المؤمنین ہنسنے لگے اور خطا معاف کر دی اور نام لینے کی اجازت دیدی۔ پس اصل مقصود تو اخلاص کامل ہے اور اسی کا امر ہے وہی مطلوب ہے اور اس سے تکمیل عمل کی مقصودیت پر دلالت ہوگئی مگر چونکہ اس میں بعض وہمیوں کو غلو ہو جاتا ہے اس لیے فَطَلٌّ میں اس کی تعدیل کر دی گئی۔ گویا ''أَصَابَهَا وَابِلٌ'' میں تکمیل کی تعلیم تھی(۱) اور فَطَلٌّ میں تعدیل(۲) کر دی گئی۔

آیت میں مذکور احکام

تو اس آیت میں چار چیزیں مذکور ہوئیں۔ تحصیل، تسہیل، تکمیل، تعدیل اور اسی مناسبت سے میں اس بیان کا نام ''التحصیل والتسهیل مع التکمیل والتعدیل'' تجویز کرتا ہوں اور اس مضمون خاص رمضان سے یہ تعلق ہے کہ طاعات رمضان کو بھی مثل تکرار انفاق کے تسہیل اعمال میں بڑا دخل ہے یعنی رمضان میں یہ خاصیت ہے کہ اس ماہ میں جن طاعات پر مداومت کر لے سال بھر ان پر مداومت سہل رہتی ہے اور جن گناہوں سے بچنے کا اہتمام کر لے سال بھر ان سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ابن حبان نے ایک حدیث مرفوع روایت کی ہے:

(۱) کمال حاصل کرنے کا حکم تھا (۲) اعتدال پر قائم رہنے کا حکم ہے۔

”سلم له الجمعة سلم له ما بينه وبين الجمعة الاخرى ومن سلم له رمضان سلم له السنة كلها قلت اخرجه السيوطى فى الجامع الصغير وعزاه الى الدار قطنى وابن على واحمد عن عائشة بلفظ اذا سلمت الجمعة سلمت الايام واذا سلم رمضان سلمت السنة وقال العزيزى وهو حديث ضعيف ج ۱ ص ۱۳۵“(۱)

خصوصیتِ رمضان

رہا یہ کہ رمضان میں یہ خاصیت بالکیفیت ہے یا بالخاصہ ہے دونوں احتمال ہیں۔ اگر بالخاصہ ہے تو تب تو وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور بالکیفیت ہے تو یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ مہینہ بھر کسی عمل سے رکنے میں اس سے اجتناب کی عادت ہوجاتی ہے اب سال بھر اس سے بچنا سہل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کسی عمل کے کرنے میں بھی ایسا ہی سمجھو مگر سہولت کے معنی یہ ہیں کہ اگر اب اس عادت سے کام لو تو سہولت ہوجائے گی۔ یہ معنی نہیں کہ عادت سے کام لینے کی بھی ضرورت نہ رہے گی جیسے کسی شخص کی آنکھیں بنائی گئیں اور ان میں روشنی آگئی تو آنکھ کے درست ہوجانے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اس سے کام لے گا آنکھیں کھولے گا تو نظر آئے گا اگر کوئی احمق یہ کہے کہ میں تو آنکھ نہ کھولوں گا، کھولنے سے نظر آیا تو فائدہ ہی کیا ہوا، آنکھ بننے کے تو یہ معنی ہیں کہ بدون کھولے بھی نظر آئے تو ایسی تیسی اس احمق کی، پس یہ مطلب نہیں کہ رمضان لاٹھی لے کر تم کو گناہوں سے روکے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی ایسی برکت ہے کہ اس میں گناہوں کو اہتمام سے چھوڑ کر بعد میں اس برکت سے کام لینا چاہو تو گناہوں کا چھوڑنا آسان ہوگا ورنہ پھر یہ عالم ابتلا ہی کیا ہوا(۲) اگر جبراً تم سے گناہ چھڑا دیئے جائیں۔

عبادات کا اہتمام

پس اب بقیہ رمضان میں اہتمام کے ساتھ گناہوں سے بچو، خصوصاً نگاہ بد اور غیبت سے اور اعمال صالحہ کا اہتمام کرو، تلاوت قرآن ونماز وذکر میں مشغول رہو اور

(۱) لم اجد الحديث فى موسوعة اطراف الحديث النبوى الشريف (۲) پھر اس جہان میں آزمائش ہی کیا ہوئی۔

دوسرے دنوں سے آج کل کچھ کام بڑھادو اور ایک عمل جس کو رمضان سے خصوصیت ہے ابھی باقی ہے یعنی شب قدر کی تلاش کرنا اس کا کبھی خاص اہتمام کرو، ابھی کچھ لیالی قدر (۱) باقی ہیں ان کو غنیمت سمجھو دو راتیں تو گزر گئی ہیں اگر ان میں اہتمام نہیں کیا ہو تو بقیہ ہی کا اہتمام کرلو تا کہ ''فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ'' (اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو پھوار ہی کافی ہے) ہی کا مصداق ہوجائے اور کل رات میں نہ جاگ سکو تو زیادہ حصہ جاگ لو یہ بھی نہ ہوسکے تو دوسری راتوں سے کچھ زیادہ جاگ لو یہ بھی ''فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ'' (اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو پھوار ہی کافی ہے) میں داخل ہے۔ غرض نہ سب راتیں ضروری ہیں نہ پوری رات ضروری ہے جتنا ہوجائے غنیمت ہے اس سے دریغ نہ کرو۔

مرا ززلف تو موئے بسند ست ہوس راہ مدہ بوئے بسند ست (۲)

زلف محبوب کی خوشبو ہی کافی ہے یہ شعر شیخ عبدالحق نے اس موقع پر لکھا ہے جہاں حدیث میں یہ قصہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع میں حلق راس کے بعد اپنے موئے مبارک تقسیم فرمائے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال دنیا میں موجود ہیں، گو سند صحیح کے ساتھ ہم کو نہ ملیں مگر ہم کو یہ خبر ہی کافی ہے۔ شیخ میں عشق کا غلبہ ہے، اشعار محبت بڑے موقع سے ذکر کرتے ہیں، چنانچہ اس حدیث کی شرح میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے وصال کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن صحابہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے حضرت صدیق امام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کی جماعت کو دیکھا اور تبسم فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھ کر ایسی حالت ہوئی کہ قریب تھے کہ نماز توڑ دیں، شیخ اس واقعہ کو بیان کرکے یہ شعر لکھتے ہیں:

در نماز خم ابروئے تو چوں یاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

خیر یہ تو استطراداً ذکر ہوگیا اصل مقصود پہلا شعر تھا کہ:

(۱) ابھی کچھ قابل قدر راتیں باقی ہیں (۲) ''یعنی تیری زلف کا ایک بال بھی مجھے بہت ہے نہیں بلکہ اس کی خوشبو ہی کافی ہے''۔

مرا زززلف تو موئے بسند ست ہوس راہ مدہ بوئے بسند ست(۱)

تم اگر ساری رات نہ جاگ سکو تو جتنا ہو سکے اور دنوں سے کچھ زیادہ شب قدر جاگ لو ہمارے حاجی صاحب کا شعر ہے:

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

میں عالی ہمتوں کی ہمت کم نہیں کرتا بلکہ کم ہمتوں کی ہمت بڑھا رہا ہوں کہ وہ زیادہ نہ کر سکیں تو قلیل (۲) ہی سے دریغ نہ کریں اور جو زیادہ کر سکتے ہیں وہ زیادہ میں کمی نہ کریں۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمادیں اور عمل کی توفیق ہو۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین (۳)

---

(۱) ''میری تسلی کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کے بال دنیا میں موجود ہیں، گو سند کا علم نہیں، عاشق کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کی خوشبو دنیا میں موجود ہے'' (۲) تھوڑا ہی سہی (۳) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو وعظ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۳/فروری ۲۰۱۹ء

أخبار الجامعة

محمد ابوذر تھانوی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

1۔ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں سالانہ امتحانات بروز منگل 26 مارچ 2019ء کو شروع ہوکر بروز بدھ 3۔اپریل 2019ء کو مکمل ہوئے بعد ازاں 6 اپریل 2019ء کو وفاق المدارس کے امتحانات شروع ہوئے۔ جامعہ ھذا وفاق کا سینٹر بنا جس میں جامعہ کے طلباء کی تعداد درج ذیل ہے۔

حفظ	عامہ ثانیہ	خاصہ ثانیہ	عالیہ اولیٰ	عالیہ ثانیہ	عالمیہ اولیٰ	عالمیہ ثانیہ
37	75	49	40	43	34	41

کل تعداد: 319

بحمد اللہ 11 اپریل 2019ء بروز جمعرات امتحانات مکمل ہوگئے۔ تمام طلباء امتحانات میں شریک ہوئے اور بحسن وخوبی امتحانات سے فراغت حاصل کی اللہ تعالیٰ تمام طلباء کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

2۔ حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم۔ مارچ میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے بعد از فراغت مدینہ منورہ روضہ اقدس پر حاضری سے مشرف ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قاری صاحب کے شاگرد امیر عادل الدیب مصری کا کلیۃ القرآن مدینہ یونیورسٹی میں دکتورہ کا مناقشہ تھا جس میں قاری صاحب کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ بحمد اللہ قاری صاحب اس سفر سے بخیر وعافیت واپس تشریف لے آئے ہیں۔

3۔ جامعہ کے سامنے پلاٹ نمبر 216 کامران بلاک میں قرآن کمپلیکس کی دو منزلیں مکمل ہوگئی ہیں تیسری منزل کی تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔ دو منزلیں تو ایک صاحب خیر نے تعمیر کرائی تھیں تیسری منزل کی تعمیر توکلاً علی اللہ شروع کردی گئی ہے۔ جو حضرات اس میں سیمنٹ، سریا، اینٹ وغیرہ دینا چاہیں حضرت مہتمم صاحب یا نائب مہتمم صاحب سے رابطہ فرما کر اس عظیم خدمت میں شریک ہوکر ثواب دارین حاصل کریں۔